اصلاحِ نفس

(متفرق اُمور)

از

سیّدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی

اصلاحِ نفس

(تقریر حضرت فضل عمر خلیفۃ المسیح الثانی جو حضور نے سالانہ جلسہ کے موقع پر ۲۷ دسمبر ۱۹۲۰ء کو مسجد نور میں ظہر کے بعد فرمائی)

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۚ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ (آل عمران : ۱۹۱ تا ۱۹۶)

حضرت مسیح موعودؑ کے بوئے ہوئے بیج کا درخت بن گیا

سب سے پہلے تو میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ جس نے اس بیج کو جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک دن نہایت سختی اور شدت کے زمانہ میں لوگوں کی خطرناک مخالفت کے باوجود ایسی حالت میں کہ لوگوں کی صرف دنیاوی سامانوں پر ہی نظر تھی اور خدا تعالیٰ کی طرف سے مایوس ہو چکے تھے، بویا تھا بار آور کیا اور اس سے ایسا درخت پیدا کر دیا ہے جو روز بروز اس کے فضل اور رحم کے ساتھ بڑھتا جا رہا ہے اور بڑھتا جائے گا۔ یہ خدا تعالیٰ کا بہت بڑا فضل اور احسان ہے کہ اس نے ہمیں ناکامی کے غار سے نکال کر کامیابی کے کے راستہ پر چلا دیا ہے۔

آج سے تیس سال قبل جب حضرت صاحبؑ نے دعویٰ کیا تھا کون شخص تھا جو خیال میں بھی لا سکتا تھا کہ اس کی ایک عظیم جماعت قائم ہو جائے گی؟ مگر خدا کی باتیں پوری ہو کر رہتی ہیں اور ہر زمانہ میں یہی ہوتا رہا ہے کہ وہ پتھر جس کو معماروں نے رد کر دیا خدا نے اسی کو کونہ کا پتھر قرار دیا اور اسی پر عظیم الشان عمارت کی بنیاد رکھی۔ ایسا ہی اس زمانہ میں ہوا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ پر قسم قسم کے حملے کئے گئے، آپؑ کو طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں، رنگا رنگ کی ایذائیں پہنچائی گئیں مگر باوجود مخالفوں کی شرارتوں کے اور باوجود دشمنوں کی ایذا رسانیوں کے اور باوجود معاندوں کی تکلیفوں کے پھر بھی خدا نے آپؑ کا سلسلہ قائم کیا اور قائم کرتا رہے گا اس وقت تک کہ دُنیا اقرار نہ کرے کہ خدا ہے اور ایسا خدا ہے جو کمزور سے کمزور انسان سے بھی کام لیتا ہے اور اس کے ذریعہ اپنا جلال اور قدرت دکھاتا ہے۔

ظُلمت سے بچانے پر خدا کا شکر

پھر میں اللہ تعالیٰ کا شکر، تسبیح اور تحمید اس لئے کرتا ہوں کہ اس نے اپنے فضل سے ہمیں اس ظلمت اور تاریکی سے بچایا جس میں باقی دُنیا مبتلا ہے۔ کیا یہ خدا تعالیٰ کے فضلوں میں سے ایک

بہت بڑا فضل نہیں ہے؟ کہ اس وقت جب کہ دُنیا طرح طرح کی تاریکیوں میں گرفتار ہے اور قسم قسم کی ظلمتوں میں پڑی ہوئی ہے اس نے حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ ہمیں ایسی روشنی عطا کی ہے کہ ہم پر ان ظلمتوں اور تاریکیوں کا کوئی بھی اثر نہیں ہے۔ ذرا خیال تو کرو کہ ایک تاریک رات میں جب کہ لوگ ٹھوکریں کھا رہے ہوں، گڑھوں میں گر رہے ہوں، ایک ایسا سُورج چڑھے جس کی روشنی صرف تمہیں ہی پہنچے اوروں کو نہ پہنچے تو اس وقت تم کس قدر خوش ہو گے؟ اور کس قدر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرو گے؟ اور خواہ تم کتنا ہی شکر کرو یقیناً تم شکر کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ مگر افسوس بہت ہیں جن پر خدا کا ایسا ہی فضل ہوا ہے مگر انہوں نے اس کو سمجھا نہیں کہ خدا نے ان پر کتنا بڑا فضل کیا ہے۔

یہ مَیں نے چھوٹی سی مثال بیان کی ہے کہ تاریکی ہو، لوگ ٹھوکریں کھا رہے ہوں، اس وقت سُورج چڑھے جس کی روشنی تمہیں ہی ملے۔ اور تم بڑے آرام اور اطمینان کے ساتھ چلے جاؤ تو تم کتنے خوش ہو گے؟ اور تمہارا کتنا ایمان بڑھے گا؟ یا ایک جنگ کا میدان گرم ہو، سینکڑوں آدمی تمہارے دائیں بائیں گر رہے اور کچلے جا رہے ہوں مگر تمہارے اوپر جو گولی لگے وہ پانی کی طرح بہہ جائے اور تمہیں اس سے ذرا بھی صدمہ نہ پہنچے۔ تو بتاؤ اس وقت کس قدر شکر کی لہر تمہارے اندر پیدا ہو گی؟

اب بتاؤ۔ خدا نے جو فضل تم پر کیا ہے۔ کیا وہ اس سے بڑھ کر نہیں ہے؟ اس رُوحانی ظُلمت اور تاریکی کے زمانہ میں خدا تعالیٰ نے ایک سورج چڑھایا جس کی برکت سے تم راستہ دیکھتے اور ٹھوکروں سے بچ رہے ہو، لیکن کیا تم نے کبھی یہ خیال کیا ہے کہ اس خطرناک جنگ میں جس میں شیطانی فوج نے اپنی پوری طاقت سے رُوحانیت پر خطرناک حملہ کیا ہے اور یکے بعد دیگرے جوان گر رہے ہیں۔ تم پر کوئی شیطانی گولی اثر نہیں کرتی اور تم صحیح وسالم ہو۔ یہ تم پر کتنا بڑا فضل ہے؟ اس نقشہ کو اپنے دل میں جماؤ اور پھر دیکھو کہ خدا تعالیٰ کا شکر کس قدر تمہارے دل میں پیدا ہوتا ہے؟

یہ ہنسی نہیں۔ یہ کھیل نہیں۔ یہ معمولی بات نہیں۔ ہمیں ضرور خدا تعالیٰ کے آگے شکریہ کے طور پر جُھک جانا چاہئے کیونکہ اگر اس کا فضل نہ ہوتا، اس کا رحم نہ ہوتا، اس کی بندہ نوازی نہ ہوتی تو اس خطرناک جنگ میں ہمارے محفوظ رہنے کی کوئی بھی وجہ نہ تھی۔ ظاہری علم ہمارے پاس دوسروں سے زیادہ نہیں، مال ہمارے پاس نہیں دنیاوی عزت ہمارے پاس نہیں، دنیاوی سامان ہمارے پاس نہیں، دنیاوی طاقت ہمارے پاس نہیں غرض کوئی بھی سامان ہمارے پاس نہیں یہ محض اس کا فضل اور اس کا احسان ہی ہے کہ اس نے اس خطرناک موقع پر ہمیں بچا لیا ہے اور ہمیں حضرت مسیح موعودؑ کی

شناخت بخشی ہے۔ پس ہم اس کے لئے جس قدر بھی شکر کریں کم ہے۔

مشکلات کے زمانے میں خدا تعالیٰ کا ڈھارس دینا

اس کے بعد میں اللہ تعالیٰ کا اس بات پر شکر کرتا ہوں کہ اس نے اس مشکلات اور تکالیف کے وقت جبکہ میں نے دیکھا کہ دنیا خطرناک حالات میں مبتلا ہے اس وقت اس نے میرے دل کو ڈھارس دی اور یقین دلایا کہ اس جماعت پر وہ ضرور اپنا فضل کرے گا۔

میں بالعموم اپنی رؤیا اور کشوف کا اظہار نہیں کیا کرتا۔ کیونکہ میرے نزدیک یہ ماموروں کا کام ہے۔ مگر بعض اوقات احباب کا یقین بڑھانے کے لئے اور انہیں تسلی دینے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اپنی رؤیا بیان کی جائے۔ اسی لئے خدا نے موجودہ حالات میں مجھے جو بشارت دی ہے وہ سُناتا ہوں تاکہ جس طرح خدا تعالیٰ نے اس کے ذریعہ میرا دل خوش کیا ہے اسی طرح تمہارا دل بھی خوش ہو جائے۔

چند دن ہوئے میں نے ایک نظارہ دیکھا جس میں مجھے بتایا گیا کہ بعض لوگوں کو کچھ ابتلاء آئے ہیں۔ اس کو دیکھ کر میری طبیعت بہت گھبرائی اور میں خدا تعالیٰ کے حضور جُھکا اور گرا اور کہا کہ خدا تعالیٰ ان پر رحم کرے ان کے گناہوں کی پردہ پوشی کرے اور ان کے گناہوں کو مٹا دے۔ اس دُعا کے بعد جبکہ جلسہ کے دن قریب تھے بلکہ آ ہی گئے تھے۔ یعنی پرسوں کی بات ہے کہ میں نے دیکھا کہ میں بیٹھا ہوا ہوں اور ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب جو میرے ماموں ہیں وہ آئے ہیں۔ میں نے ایک لمبے تجربہ کے بعد یہ بات معلوم کی ہے کہ اسماء کے ساتھ رویاء اور کشوف کا خاص تعلق ہوتا ہے اور مجھے جو خدا تعالیٰ سے قبولیت کا تعلق ہے اس کے متعلق میں نے دیکھا کہ اٹھانوے[۹۸] فیصدی انہیں کو دیکھتا ہوں۔ ان کا نام ہے "اسماعیل"۔ جس کے معنی ہیں خدا نے سُن لی۔ جب میں کوئی دُعا کرتا ہوں تو یہی مجھے دکھائے جاتے ہیں۔ ہاں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خدا کسی مَلَک کے ذریعہ بتا دیتا ہے اور کبھی خود جلوہ نمائی کرتا ہے۔

تو میں نے دیکھا کہ وہ آئے ہیں اور ہشاش بشاش ہیں اور کہتے ہیں کہ لوگ آ رہے ہیں اور وہ اتنے خوش معلوم ہوتے ہیں اور آنے والوں کا ایمان اتنا ترقی یافتہ ہے کہ انہوں نے ان کے چہروں سے دیکھ لیا ہے۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے کہ نور ان کے چہروں سے ٹپکتا ہے۔ جب انہوں نے یہ کہا کہ لوگ آ رہے ہیں اور ایمان اور اخلاص کے ساتھ آ رہے ہیں۔ تو اسی وقت جوش سے میری زبان

پر یہ الفاظ جاری ہو گئے کہ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ عَلٰی نَھْجِ الصَّلَاحِ وَالْعِفَّۃِ ۔ اے اللہ ان کو زیادہ کر ایمان اور اخلاص میں پھر زیادہ کر ایمان اور اخلاص میں ۔ اور یہ پھر آویں مگر مٹی کے رستوں پر چل کر نہیں بلکہ نیکی اور اخلاص اور ترقی کے راستہ پر چل کر آئیں۔

اس کے بعد آنکھ کھل گئی اور اس طرح خدا تعالیٰ نے مجھے تسلی دی۔ تو میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ جماعت کے کثیر حصہ کو اور ایسے کثیر حصہ کو کہ شاذ ہی کوئی رہ جائے اور ممکن ہے کہ کوئی بھی نہ رہے ۔ اس خطرناک وقت میں جب کہ بڑے بڑوں کے قدم لڑکھڑا رہے ہیں محفوظ رکھے گا اور تقویٰ اور صلاحیت پر ہی چلائے گا گمراہی کے رستہ پر نہیں چلائے گا۔ انشاء اللہ

اس کے بعد پیشتر اس کے کہ مضمون شروع کروں یہ اعلان کرتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو جیسا کہ میں جلسہ پر دو مضمون بیان کیا کرتا ہوں اسی طرح اب بھی بیان کروں گا اور کل علمی مضمون بیان ہوگا۔ آج میں جماعت کی اخلاقی اور عام حالت کے متعلق بیان کرنا چاہتا ہوں ۔ کل دوسرا مضمون جو بالعموم دوسرے دن ہی بیان کیا کرتا ہوں اور کبھی پہلے دن بھی بیان کیا ہے بیان کروں گا۔ وہ مضمون گو علمی ہوتا ہے لیکن وہ بھی روحانیت سے تعلق رکھتا ہے۔

پیشتر اس کے کہ میں آج کے مضمون کو بیان کروں کچھ باتیں پچھلے سال کے متعلق کہنا چاہتا ہوں۔

مسجد لندن

اس سال اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت نے جس کام میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے ۔ وہ مسجد لندن کی تعمیر کا سامان ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ لندن عیسائیوں کے ہزاروں شہروں میں سے ایک شہر ہے اور اس کی شہرت مسیحیت کا مرکز ہونے کے سبب سے نہیں بلکہ اس کی دنیاوی عظمت کے سبب سے ہے ۔ مگر غور سے دیکھا جائے تو اس میں بھی شک نہیں کہ لندن عیسائیت کا مرکز ہے ۔ اور ایسا مرکز ہے کہ اس کے مقابلہ میں روم بھی جو یورپ کا دارالاقامۃ ہے نہیں ٹھہر سکا۔ لندن پراٹسٹنٹ فرقہ کے عیسائیوں کا مرکز ہے جو دنیا میں بہت بڑے انتظام اور سامان کے ساتھ تبلیغ کرتے ہیں اور روم رومن کیتھولک فرقہ کا مرکز ہے جن کا طرز تبلیغ بالکل جُدا گانہ ہے۔ وہ اپنی ذات میں ایسے محو ہیں کہ غیر مذاہب کی کتابیں پڑھنا بھی پسند نہیں کرتے ۔ یہی وجہ ہے کہ رومن کیتھولک فرقے کے بہت کم پادری ہیں جنہوں نے اسلام پر حملے کئے ہیں مگر پراٹسٹنٹ فرقہ کے عیسائیوں نے اسلام پر بہت زیادہ حملے کئے ہیں اور دل دکھانے والے حملے کئے ہیں ۔ اس فرقہ کے لوگوں کا مرکز لندن ہے اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ اسلام پر جارحانہ حملہ کرنے والی مسیحیت کا مرکز لندن ہی ہے اور

ہماری جماعت کو توفیق ملی ہے کہ اس مرکز میں اسلام کا نشان قائم کرنے کے لئے مسجد کی زمین خریدے۔ ایسی کمزور مالی حالت میں جو کہ ہماری جماعت کی ہے یہ بہت شکر کا مقام ہے کہ اتنا بڑا کام کرنے کی اسے توفیق ملی۔

پچھلے سال جلسہ ختم ہونے کے سات آٹھ دن کے بعد میرے دل میں اس مسجد کی تحریک پڑی اور اس زور سے پڑی کہ مَیں نے سمجھا کہ ملائکہ نے ہی ڈالی ہے۔ مَیں گھر سے نماز کے لئے نکلا اور مسجد میں فوراً یہ خیال ہوا کہ لندن میں مسجد بنانی چاہئے۔ لیکن لندن میں مسجد بنانے کا خیال چونکہ بہت بڑا خیال تھا اس لئے سوال پیدا ہوا کہ کس طرح بنائی جائے؟ اس کے لئے مَیں نے یہ خیال کیا کہ چونکہ ہماری جماعت کے لوگ آگے بہت سا چندہ دیتے ہیں اور چندہ دینا ان کے لئے مشکل ہوگا اس لئے یہی صورت ہوسکتی ہے کہ قرضہ لے لیا جائے جو باقساط ادا کر دیا جائے۔ پہلے مجھے پانچ ہزار کا خیال آیا لیکن جب میں تحریک کرنے لگا تو پندرہ ہزار کا خیال آیا۔ مَیں نے سمجھا یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس لئے اس رقم کی تحریک کرنی چاہئے۔ اس کے متعلق جب مَیں نے مسجد میں ان چند آدمیوں کے سامنے جو میرے اردگرد بیٹھے تھے ذکر کیا تو اسی وقت بعض نے چندے لکھوانے شروع کر دیئے اور بعض نے کہا کہ ہم قرضہ نہیں دیتے یونہی چندہ دیتے ہیں۔ پھر جب میں اس کے متعلق مضمون لکھنے لگا تو دل نے کہا قرضہ کیا لکھنا ہے ممکن ہے جماعت پر زور دیں تو پندرہ ہزار ہی چندہ ہو جائے۔ اس لئے یہی تحریک ہوئی کہ چندہ ہو قرضہ نہ ہو۔ لیکن جب میں مضمون لکھتے ہوئے رقم لکھنے پر پہنچا تو پندرہ ہزار کی بجائے قلم سے تیس ہزار نکلا مَیں نے سمجھا یہ بھی الٰہی تحریک ہوگی۔ مگر دل میں تعجب تھا کہ اتنا روپیہ کہاں سے آئے گا۔ مَیں نے وہ اعلان یہاں کی جماعت کے چند لوگوں کو سُنایا جو بالعموم تھوڑی تھوڑی تنخواہوں پر تنگی سے گذارہ کرتے ہیں مگر اسی وقت دو تین ہزار کے درمیان رقم کا اعلان ہوگیا۔ پھر مَیں نے گھر جا کر سنایا تو چند ہی عورتوں نے پانچ سو کے قریب رقم لکھوا دی۔ پھر شام کو یہاں کے سب لوگوں کو جمع کر کے تحریک کی تو رقم نو ہزار کے قریب پہنچ گئی اور دوسرے دن بارہ ہزار سے آگے نکل گئی۔ تب مجھے یقین ہوگیا کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی تحریک ہے۔ اس وقت مَیں نے اشتہار لکھا اور خیال آیا کہ خدا کچھ اور قدرت دکھانا چاہتا ہے۔ لاہور آدمی بھیجا اس خیال سے کہ یہ رقم لاہور تک ہی جمع ہو جائے۔ لاہور کے احمدیوں نے کہا کہ ہم قادیان والوں سے مل کر ۳۰ ہزار کی رقم پوری کر دیں گے۔ چنانچہ لاہور اور قادیان اور گورداسپور کی جماعتوں نے مل کر یہ رقم پوری کر دی۔

انہی دنوں غیر احمدی شور مچا رہے تھے کہ اسلام تباہ ہوگیا ہے۔ کیونکہ خلافت پر حملہ ہوا ہے اور

خلافت کو قائم رکھنے کے لئے چندہ جمع کر رہے تھے۔ ایک کالج میں جب ان کا چندہ ہوا تو چھ سو طلباء نے دو ہزار چندہ لکھایا۔ مگر جب ہماری تحریک لاہور پہنچی تو وہاں کے امیر نے احمدی طلباء کو کہا کہ کیا کفر و اسلام میں کوئی فرق نہیں۔ چھ سو طلباء نے دو ہزار چندہ لکھوایا ہے۔ تم ستر طلباء ہی دو ہزار پورا کر دو۔ چنانچہ انہی طلباء نے دو ہزار پورا کر دیا۔ پھر یہ عجیب بات ہے کہ ان چھ سو طلباء کا چندہ تو ادا نہ ہوا مگر ہمارے ستر طلباء نے دو ہزار روپیہ ادا کر دیا۔

پھر اس تحریک کو وسیع کر دیا گیا تاکہ ساری جماعت اس ثواب میں شریک ہو سکے اور اس طرح اس چندہ کی رقم ایک لاکھ کر دی گئی۔ جو رقم اس وقت تک وصول ہو چکی ہے وہ ۹۳ ہزار ہے اور وعدے ملا کر ایک لاکھ سے اوپر ہو جاتی ہے۔

یہ وہ بہت بڑا کام ہے جو اس سال خدا تعالیٰ نے ہماری جماعت سے کرایا ہے۔ اور یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بات کا ارادہ کرتا ہے تو وہ ہو کر رہتی ہے رُک نہیں سکتی۔ لندن مسجد کی جگہ خرید لی گئی ہے جس میں مبلغین کے رہنے کے لئے مکان بھی ہے۔ اب انشاء اللہ مسجد تیار ہوگی۔ اور اس کا اشاعتِ اسلام پر بہت بڑا اثر ہوگا۔ جو جگہ خریدی گئی ہے وہ بہت اعلیٰ درجہ کی ہے۔ اس کے ارد گرد تاجر بستے ہیں جو اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ پھر مکان ہی نہیں زمین بھی لندن جیسے شہر میں موقع کی مل گئی ہے اور سستی مل گئی ہے اور اتنی سستی ہے کہ لاہور جیسے شہر میں بھی اس نرخ پر ایسے باموقع اور اس نرخ پر ملنی مشکل ہے۔

امریکہ میں احمدیہ مشن

دوسری چیز جو اس سال قائم ہوئی وہ امریکہ کا مشن ہے۔ اسی جگہ مَیں نے گذشتہ جلسہ پر اعلان کیا تھا کہ بیرونی ممالک میں تبلیغی مشن قائم کئے جائیں گے۔ چنانچہ اس سے تھوڑے ہی دن بعد مفتی صاحب امریکہ روانہ ہو گئے۔ مگر امریکہ کی سلطنت نے انہیں ملک میں داخل ہونے سے روک دیا۔ اور وہ لوگ جو ہماری ہر بات کی مخالفت کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں انہوں نے کہا کہ بہت اچھا ہوا۔ ان کے آدمی کو امریکہ نے روک دیا۔ حالانکہ امریکن گورنمنٹ کو یہ اعتراض نہیں تھا کہ مفتی صاحب احمدی ہیں اس لئے داخل نہ ہوں بلکہ وہ کہتی تھی کہ مفتی صاحب چونکہ اسلام کا ایک ایسا مسئلہ مانتے ہیں جسے ہم پسند نہیں کرتے اس لئے داخل نہ ہوں مگر مسلمان کہلانے والوں نے اس موقع پر یہودیوں والی بات کی کہ ہمارے مقابلہ میں کفار سے دوستی ظاہر کی اور خوش ہوئے کہ انہوں نے ایک اسلامی مسئلہ کی بناء پر ہمارے مبلغ کو روک دیا۔ لیکن اصل بات تو یہ ہے کہ خدا چاہتا تھا کہ ان کا ہم پر کسی قسم کا احسان نہ ہو۔ کیونکہ ممکن تھا کہ اگر وہ ہمارے ساتھ مل کر امریکہ کے خلاف آواز اُٹھاتے اور اس کے بعد مفتی صاحب

کو داخل ہونے کی اجازت مل جاتی۔ تو وہ کہتے کہ ہماری وجہ سے ہی ایسا ہؤا ہے مگر خدا تعالیٰ نے ان کو ہمارے مقابلہ میں کھڑا کر کے ہمیں ان کے احسان کا بار اُٹھانے سے باز رکھا۔ انہی دنوں میں سیالکوٹ گیا جہاں میرا لیکچر ہؤا۔ اس میں مَیں نے کہا کہ امریکہ نے ہمارا مقابلہ کیا ہے اور یہ خدا کی حکومت ہے اس مقابلہ میں امریکہ کو ضرور نیچا دیکھنا پڑے گا۔ چنانچہ مفتی صاحب امریکہ داخل ہو گئے۔ اور لطیفہ یہ ہے کہ اب انہیں بعض ایسی قانونی گنجائشیں مل گئی ہیں کہ انہوں نے لکھا ہے اگر اجازت ہو تو مَیں دوسرا نکاح کر لوں۔

اس ملک کے متعلق مَیں نے گزشتہ سے پیوستہ جلسہ پر بیان کیا تھا کہ مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ حضرت مسیح موعودؑ کہیں سے دَوڑے دَوڑے آئے ہیں۔ مَیں نے کہا حضور اندر آئیں۔ فرمایا خدا نے مجھے حکم دیا تھا کہ مَیں امریکہ جاؤں۔ مَیں پانچ سال امریکہ رہ کر آیا ہوں۔ مَیں نے کہا حضورؑ! اب کچھ عرصہ گھر پر ٹھہریں۔ فرمایا نہیں مَیں نہیں ٹھہر سکتا۔ کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہؤا ہے کہ پانچ سال بخارے جا کر رہوں۔ چنانچہ آپ چلے گئے۔

امریکہ کے بعد ہمارا قدم کدھر اُٹھے گا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ کے بعد اب دوسرا قدم ہمارا بخارا کی طرف اُٹھنا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اس رؤیا کے بعد حضرت مسیح موعودؑ کا ایک الہام ملا ہے جو بخارا کے متعلق ہے۔ دو رؤیا ہیں۔ ایک میں یہ ہے کہ زار روس کا سوٹا حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھ آ گیا ہے۔ بخارا زارِ روس کا علاقہ تھا۔ اس رؤیا کا ایک حصہ تو پورا ہو گیا۔ کہ زار سے اس کا یہ سوٹا چھین لیا گیا۔ اب دوسرا حصہ باقی ہے کہ وہ ہمیں ملے۔ سوٹا کی تعبیر بادشاہت ہے۔ وہ تو زار سے چھن چکی ہے۔ جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ زار قتل کر دیا گیا۔ اب حضرت صاحبؑ کو ملنا باقی ہے۔

دوسری رؤیا یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے دیکھا۔

"خوارزم بادشاہ جو بوعلی سینا کے وقت میں تھا۔ اس کی تیر کمان میرے ہاتھ میں ہے۔ بوعلی سینا بھی پاس ہی کھڑا ہے۔ اور اس تیر کمان سے میں نے ایک شیر کو بھی شکار کیا ہے۔" (ملفوظات جلد سوم صفحہ ۴۶ حاشیہ)

شیر مارنے کی تعبیر بادشاہت فتح کرنا ہے اور جیسا کہ مَیں ابھی بتا چکا ہوں۔ بخارا کی پہلی بادشاہت تو ٹوٹ چکی ہے۔ اب ہمیں ملنا باقی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے رؤیا میں شیر کا شکار کیا ہے۔ جس کی تعبیر یہ ہے کہ سلطنت فتح کی گئی ہے اور ہمارا تیر کمان تو دُعائیں ہی ہیں۔ انہیں کے ذریعہ ہم فتح کریں گے۔

کہتے ہیں ایک امیر تھا۔ اس کے محلّہ میں ایک بزرگ رہتے تھے اس امیر کے ہاں ساری رات گانا بجانا ہوتا رہتا جس سے محلہ والے بہت تنگ آ گئے۔ لیکن چونکہ وہ بڑا آدمی تھا اور بادشاہ سے اس کا تعلق تھا اس لئے کوئی اسے کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ ایک دن اس بزرگ نے اسے کہا کہ آپ ساری رات گاتے بجاتے رہتے ہیں کسی وقت بند بھی کیا کرو کہ ہمیں آرام ملے۔ اس نے کہا تُو کون ہے مجھے کہنے والا؟ اس بزرگ نے کہا میں تو کوئی نہیں۔ سارے محلّہ والے کہتے ہیں جو کہ بہت تنگ آ گئے ہیں۔ اس نے کہا مَیں نہیں رُک سکتا۔ بزرگ نے کہا اگر تم نہیں رُکتے تو پھر ہم جبراً روکیں گے۔ اس نے کہا مَیں بادشاہ کی فوج لے آؤں گا پھر کون ہے جو میرا مقابلہ کر سکے؟ بزرگ نے کہا ہم فوج کا بھی مقابلہ کریں گے۔ اس نے کہا کس طرح؟ بزرگ نے کہا سہام اللیل کے ذریعہ یعنی رات کے تیروں کے ساتھ۔ اس بات کا اس پر ایسا اثر ہؤا کہ اس نے کہا کہ مَیں آئندہ آپ کو تکلیف نہیں دوں گا۔ آپ معاف کریں۔

تو رات کے تیروں اور تلواروں کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں بھی کفار کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہم تلوار سے مقابلہ کریں گے۔ اس کے پاس چونکہ تلوار نہیں اس لئے ہمارے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکے گا۔ مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ تلوار جو رات کو چلائی جاتی ہے وہ ایسی ہے کہ اس کے حملہ سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ کیونکہ اسی حملہ سے بچاؤ ہو سکتا ہے جو نظر آتا ہے جو نظر نہ آئے اس سے بچنا ناممکن ہوتا ہے۔

سو ہمارے پاس دُعا کا تیر کمان ہے اور اسی کو ہم چلائیں گے اور امید ہے کہ خدا تعالیٰ حضرت مسیح موعودؑ کی رؤیا کا بقیہ حصّہ بھی پورا کر دے گا اور ہمارے ہاتھ میں زارِ روس کا سوٹا دے دے گا۔ لیکن چونکہ رؤیا کے پورا کرنے کے لئے کوشش کرنا بھی ضروری ہے۔ اس لئے میں دوستوں کو کہوں گا کہ وہ اپنی دُعاؤں میں اس بات کو بھی یاد رکھیں کہ خدا تعالیٰ اس کشف کو پورا کرے تاکہ زارِ روس[۳] کا سوٹا ہمارے ہاتھ میں آ جائے۔

اس سال تبلیغ میں کمی رہی

یہ باتیں جو مَیں نے آپ لوگوں کو خوشی کی سنائی ہیں ان کے ساتھ ہی ایک رنج کی بات بھی سُناتا ہوں جو میرے لئے بہت ہی تکلیف کا موجب ہوئی ہے۔ آپ لوگوں نے اس سال بہت مال دیئے اور اس قدر دیئے کہ مخالف اخبار نویس حیران ہو گئے اور لکھا کہ نئے سلسلوں کا یہی حال ہوتا ہے جماعت احمدیہ چونکہ نیا سلسلہ ہے اس لئے اس وقت اس میں بھی وہی جوش ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت مسلمانوں

میں تھا۔ سو الحمد للہ کہ خدا تعالیٰ نے دشمن سے بھی اقرار کرا دیا ہے کہ تم لوگوں کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی تعلق ہے اور تمہاری نظیر مخالفوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں ہی ملتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ تم سے ایک کوتاہی بھی ہوئی ہے۔ مَیں جانتا ہوں کہ اس کی وجوہ ہیں۔ اور چونکہ مسجد کی تحریک کی گئی تھی جو بہت بڑا کام تھا۔ علماء اس کے لئے چندہ جمع کرتے رہے ہیں اور آپ لوگ بھی اس کام میں مشغول رہے ہیں۔ مگر جو شخص سر کو ڈھانکنے کے لئے ستر کی جگہ کو ننگا کر دیتا ہے۔ کون ہے جو اسے کہے کہ غلطی نہیں کر رہا؟ روپیہ دین کی خدمت کے لئے دینا بے شک اچھی بات ہے۔ مگر میں افسوس سے کہوں گا کہ اس کی وجہ سے اس سال تبلیغ میں بہت کمی آگئی ہے اور پہلے کی نسبت نمایاں فرق پڑ گیا ہے۔ ہر سال پہلے سالوں کی نسبت زیادہ آدمی سلسلہ میں داخل ہوتے رہے ہیں مگر اس سال صرف بارہ سو عورتیں اور بچے علیحدہ کر کے داخل ہوئے ہیں۔ اگر عورتوں اور بچوں کو بھی ملا لیا جائے تو چار ہزار کے قریب بن جاتے ہیں۔ لیکن اس طرح پہلے سالوں میں دس ہزار کے قریب تعداد بنتی ہے۔

یہ تم پر قرض ہو گیا ہے اور میں اس کے متعلق تحریک کروں گا کہ مقروض کی طرح تم اس قرض کی ادائیگی کی فکر کرو اور اس وقت تک چین نہ لو جب تک اسے ادا نہ کر لو۔

جماعتوں کے امیر

اس کے بعد میں انتظام سلسلہ کے متعلق ایک تحریک کرنی چاہتا ہوں جب میں نے نظارتوں کے قیام کے متعلق رسالہ لکھا تھا۔ تو اس میں بیان کیا تھا کہ ہر جگہ کی جماعتوں کے انتظام کے لئے امیر مقرر ہونے چاہئیں (جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ یا خلفاء کے زمانہ میں ہر ضلع اور ہر شہر میں امیر ہوتے تھے) اور احمدی ان سے اپنے معاملات میں مشورہ لیں تاکہ انتظام پراگندہ نہ ہو۔ اس وقت میں نے یہ حکم نہیں دیا تھا مشورہ دیا تھا۔ اس سال اس کا دو جگہ تجربہ کیا گیا ہے ایک لاہور میں اور دوسرے فیروزپور میں۔ لاہور کی جماعت اخلاص میں بہت اعلیٰ درجہ کی ہے اور تھی مگر انفرادی طور پر وہاں کے لوگوں میں بہت اختلاف تھا۔ اس انتظام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خوش ہیں اور ان کے معاملات آسانی اور سہولت سے طے ہوتے ہیں۔ فیروزپور کی جماعت کا انتظام بہت اعلیٰ ہو گیا ہے۔

غرض تجربہ سے یہ طریق بہت اعلیٰ ثابت ہوا ہے اور گو مَیں اب بھی اس کے متعلق حکم نہیں دیتا۔ مگر یہ بتاتا ہوں کہ شریعت نے اس بات کو پسند کیا ہے اور اس کے ذریعہ انتظام بہت اعلیٰ درجہ کا چلتا ہے۔ پس جو جماعتیں چاہتی ہیں کہ ان کے امیر مقرر کر دئے جائیں وہ یہاں لکھیں کہ وہ اپنے میں سے کس کو اپنا امیر بنانا پسند کرتی ہیں تاکہ ہم انہی میں سے ان کے امیر مقرر کر دیں۔

اخبارات سلسلہ

اس کے بعد میں جماعت کے اخبار اور رسالہ جات کے متعلق کہنا چاہتا ہوں۔ پچھلے سال میں نے ان کے متعلق تحریک کی تھی کہ احباب انہیں خریدیں۔ اس کے ماتحت توجہ کی گئی ہے الفضل اور ریویو کی طرف اور تشحیذ کی طرف بھی کسی قدر توجہ ہوئی ہے مگر ان کو چھوڑ کر اوروں کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ الحکم، نور اور فاروق کے خریدار بہت کم ہیں۔ اگرچہ میں ان کے کارکنوں کو بھی کہوں گا کہ ان کی اصلاح کریں اور زیادہ مفید بنائیں۔ مگر تم لوگوں کو بھی کہتا ہوں کہ ان کی خریداری کی طرف توجہ کرو۔

الحکم میں ایک خصوصیت رہی ہے۔ اب اگرچہ اس کا ایڈیٹر بدل گیا ہے۔ لیکن پھر بھی کسی حد تک پائی جاتی ہے اور وہ یہ کہ وہ تاریخ سلسلہ کو محفوظ رکھتا ہے اور جماعت میں رُوح پھونکنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس معاملہ میں الفضل بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکا اور اور بھی کوئی نہیں۔ علمی حیثیت سے اس میں پہلی بات نہیں رہی۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا ایڈیٹر ناتجربہ کار اور نوآموز ہے مگر میں دُعا کرتا ہوں کہ خدا اسے اس لحاظ سے بھی کام کرنے کی توفیق دے۔

پھر نور ہے۔ اس کے مضامین مفید ثابت ہوئے ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کا منشاء تھا کہ سکھوں کو تبلیغ کریں۔ چنانچہ آپؑ نے ان کے متعلق کتاب ست بچن لکھی تھی۔ اس اخبار نے یہ کام کیا ہے اور ممکن ہے کہ ہزاروں سکھ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ مگر اس اخبار کی اشاعت کم ہے اور بہت کم ہے۔ میں نے گزشتہ سال کچھ پرچے جاری کرائے تھے اور جن کے نام جاری تھے۔ انہوں نے بہت فائدہ اُٹھایا ہے۔ اس کے متعلق کئی خطوط آئے۔ پچھلے دنوں جب ایڈیٹر صاحب نور ایک سفر پر گئے تو ایک سکھ صاحب نے ان کی معرفت مجھے نذر بھیجی۔ جو اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ ان کا دل اس اخبار کے ذریعہ سلسلہ کی طرف مائل ہو رہا ہے۔

پس ہماری جماعت کو چاہئے کہ اس کی طرف بھی توجہ کرے۔ مجھے بہت افسوس کے ساتھ معلوم ہوا ہے کہ اس کے کل خریدار ۳۵۰ ہیں۔ اس اشاعت میں پہلے بھی کوئی اخبار نہیں چل سکتا تھا اور اب تو پہلے کی نسبت بہت گرانی ہو گئی ہے۔ اب چلنا بالکل محال ہے۔

پھر میں فاروق کی خریداری کے لئے بھی تحریک کرتا ہوں۔ مگر اخبار والوں کو بھی کہتا ہوں کہ اپنا اپنا حلقہ محدود کر لیں۔ اب تک انہوں نے ایسا نہیں کیا اور ایک ہی قسم کی باتیں لکھتے رہتے ہیں۔ اس لئے لوگ کہتے ہیں کہ جب ایک اخبار خرید لیا تو پھر کسی اور کی کیا ضرورت ہے؟ انہیں اپنے اپنے حلقے تقسیم کر لینے چاہئیں تاکہ لوگ سب کو خریدیں۔

کتب اور کتب فروش

رسالوں اور ٹریکٹوں کے متعلق میں یہ کہتا ہوں کہ چونکہ تبلیغ کے لئے لٹریچر کی سخت ضرورت ہے۔ اس لئے جن دوستوں کو خدا تعالیٰ نے علم دیا ہے وہ تبلیغی رسالے لکھیں اور شائع کریں۔ مگر پچھلے دنوں سے یہاں کے کتب فروشوں میں ایک بیہودہ روح تاجرانہ طرز کی نمودار ہوگئی ہے وہ یونہی بیہودہ اور فضول رسالے چھاپ دیتے ہیں۔ پھر ایک دوسرے کی نقل کرکے ایک ہی کتاب یا رسالہ شائع کرتے ہیں۔ اس قسم کی ایک دوسرے کے خلاف شکایت میرے پاس پہنچی ہے۔ انہوں نے اپنی اپنی بریت کی ہے لیکن میرے نزدیک ان کا جرم ثابت ہے آئندہ انہیں اپنی اصلاح کرلینی چاہئے۔ ورنہ اعلان کردیا جائے گا کہ ایسے نقال کُتب فروشوں کی کتابیں نہ خریدی جائیں۔ مگر جہاں ایک دوسرے کی نقل ہوتی ہے وہاں بعض مفید رسالے بھی نکلتے ہیں۔ اس لئے ان کی مدد کرنی چاہئے مگر اسی حد تک کہ تاجرانہ حیثیت سے وہ کام کرتے ہیں جماعت کے لحاظ سے نہیں۔

مفید ٹریکٹوں اور رسالوں سے بہت فائدہ پہنچتا ہے۔ ہمارے سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب اس قسم کے مفید ٹریکٹ شائع کرتے رہتے ہیں جن کے ذریعہ کئی ممالک میں تبلیغ ہو رہی ہے اور فائدہ بھی ہؤا ہے۔ ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہؤا افریقہ کا ایک خط انہوں نے بھجوایا تھا جس نے ان کے ذریعہ بیعت کی ہے۔

ہمارے خلاف شورش

اس کے بعد میں اس شورش اور غصّہ کی طرف توجہ دلاتا ہوں جو پچھلے دنوں سے ہمارے خلاف پھیلا ہؤا ہے۔ ہم آدمی ہیں اور آدمیوں میں رہتے ہیں اور آدمیوں میں ہی رہیں گے۔ اس لئے ممکن نہیں کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے ان معاملات اور حالات سے علیحدہ رہ سکیں جو دوسروں کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ بعض لوگ اس قسم کے معاملات کے متعلق کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں ان سے کیا؟ مگر مَیں کہتا ہوں کہ یہ ٹھیک نہیں۔ ہمیں ان معاملات سے تعلق ہے اور جب تک ہم انسان ہیں اس وقت تک ان باتوں سے علیحدہ نہیں رہ سکتے جو ہمارے ملک میں ہو رہی ہیں۔ اگر ملک میں لڑائیاں ہوں گی تو ان کا اثر ہم پر پڑے گا اور اگر روشنی ہوگی تو اس کا بھی اثر ہم پر پڑے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم ایسے طور پر رہیں کہ دشمن کا گندہ اثر ہم پر نہ پڑ سکے۔

ہم گورنمنٹ کی وفاداری کیوں کرتے ہیں؟

پچھلے دنوں سیاست کا بڑا شور برپا رہا ہے اور لوگ ہمارے خلاف بڑنے

بڑے منصوبے باندھتے رہتے ہیں حتیٰ کہ دیسی حکام بھی جو ظاہر میں جا کر گورنمنٹ کے حامی ہونے کا دم بھرتے ہیں گھر میں آ کر ہمیں گالیاں دیتے اور طرح طرح کی تکالیف پہنچاتے ہیں کہ ہم کیوں گورنمنٹ کے وفادار ہیں ؟

ہر محکمہ میں ایسے لوگ موجود ہیں جو گورنمنٹ سے تنخواہیں پاتے ہیں اور گورنمنٹ کی وفاداری کے دعویدار ہیں ۔ مگر ہماری جماعت سے اس لئے دشمنی کرتے ہیں کہ ہم کیوں گورنمنٹ کی وفاداری کرتے ہیں ۔ ایسے لوگ محکمہ پولیس میں بھی ہیں مجسٹریٹ بھی ہیں پروفیسر بھی ہیں اور دیگر صیغوں میں بھی ہیں جو ہمارے متعلق شکائتیں کرتے رہتے ہیں کہ اصل میں یہی جماعت گورنمنٹ کی بدخواہ ہے وہ یہ حرکت اس لئے کرتے ہیں کہ گورنمنٹ ہمارے خلاف کوئی ناروا کارروائی کرے اور ہم اس وجہ سے گورنمنٹ سے بددل ہو کر ان کے ساتھ مل جائیں ۔ مگر انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ ہم گورنمنٹ کی وفاداری اس لئے نہیں کرتے کہ ہمیں کوئی خاص رعایتیں حاصل ہیں یا ہم کوئی خاص فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں ۔ بلکہ ہم تو اس لئے کرتے ہیں کہ خدا کی طرف سے ہمیں یہی حکم ہے ۔

پس ہم گورنمنٹ کی وفاداری کسی فائدہ کی غرض سے نہیں کرتے اور نہ کسی رعایت کی وجہ سے کرتے ہیں اور نہ ہم اس کی ناراضگی سے ڈرتے ہیں ۔ ہم تو اس لئے اس کی وفاداری کرتے ہیں کہ اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو خدا تعالیٰ ہم سے ناراض ہوگا ۔ کیونکہ خدا نے حکام کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے ورنہ اگر یہ نہ ہوتا اور ہمیں خدا کی ناراضگی کا ڈر نہ ہوتا تو ہم بھی سیاست کے معاملات میں وہ راہ اختیار کر لیتے جسے خود گورنمنٹ بھی جائز قرار دیتی ہے ۔ ذرا سوچو تو سہی کہ گورنمنٹ ہمیں کیا دے رہی ہے اور کیا دے سکتی ہے ؟ جب کبھی ہماری جماعت کو کسی جگہ تکلیف پہنچی ہے اور ہم نے گورنمنٹ کے آفیسروں کو توجہ دلائی ہے ۔ انہوں نے یہی کہہ دیا ہے کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے ۔ تو گورنمنٹ ہمیں کیا دے رہی ہے ؟ کہ اس کی وجہ سے ہم اس کے وفادار ہیں ۔ دراصل ہمارا گورنمنٹ پر احسان ہے اس کا ہم پر کوئی احسان نہیں جس میں اور لوگ حصہ دار نہیں ہیں ۔ اگر ہم ریل ڈاک تار وغیرہ سے فائدہ اُٹھاتے ہیں تو کیا مسٹر گاندھی ان سے فائدہ نہیں اُٹھا رہے ؟ اگر ہم گورنمنٹ کے قائم کردہ سکولوں اور کالجوں میں پڑھتے ہیں تو کیا اور لوگ نہیں پڑھتے ؟ تار ، ڈاک ، ریل وغیرہ چیزوں سے فائدہ تو خونی اور بم BOMB مارنے والے بھی اُٹھا رہے ہیں پھر ہم پر گورنمنٹ کا کون سا خاص احسان ہے کہ ہم اس کی خوشامد کریں ؟ کوئی بھی نہیں ۔ پس دُنیا کی کوئی حکومت نہیں جو ہماری سراپنی طاقت اور قوت کے زور سے اپنے آگے جھکا سکے ۔ مؤمن کا سر کسی دنیاوی طاقت کے آگے کبھی نہیں جُھک سکتا ۔ اگر

جھکتا ہے تو خدا تعالیٰ کے حکم کے آگے ہی جھکتا ہے چونکہ ہمیں خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ جس حکومت میں رہیں اس میں امن قائم رکھیں اور فتنہ نہ پھیلائیں اس لئے ہم گورنمنٹ کی وفاداری کرتے ہیں نہ کہ گورنمنٹ سے کوئی فائدہ اور نفع حاصل کرنے کی غرض سے۔ اگر ہمیں گورنمنٹ دُکھ بھی دے گی تو پھر بھی ہم وفاداری ہی کریں گے۔ اور جب تک اس کے علاقہ میں رہیں گے فتنہ و فساد کی طرف قدم نہ اُٹھائیں گے خواہ وہ ہم پر ظلم ہی کیوں نہ کرے اور ہمیں دُکھ ہی کیوں نہ دے۔ اگر ایسی حالت ہو جائے کہ ہمارا اس کے علاقہ میں رہنا مشکل ہو جائے تو بھی ہم ملک میں فساد نہیں کریں گے بلکہ اس کے ملک کو چھوڑ کر کسی اور ملک میں چلے جائیں گے پس ہم خوشامدی نہیں۔ وہ لوگ جو ہم پر الزام لگاتے ہیں اور خود بہادر بننے کا دعویٰ کرتے ہیں ہم ان سے زیادہ جری ہیں اور ہم نے اپنے عمل سے دکھا دیا ہے کہ جہاں ہمیں دین کے معاملہ میں جانوں اور مالوں کا خطرہ پیش آیا ہے وہاں ہم نے ان کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ وہ لوگ جو ہمیں ڈرپوک کہتے ہیں خود ذرا ذرا سی بات پر ڈرتے ہیں۔ لیکن ہمارے آدمیوں کو کابل میں اپنی جانیں دینی پڑیں اور انہوں نے ذرا دریغ نہ کیا۔ اسی ہندوستان میں ہمارے لوگوں کو مارا پیٹا جاتا ہے ان کی جائدادیں چھینی جاتی ہیں۔ مگر انہوں نے دین کے لئے کسی بات کی پرواہ نہیں کی۔

غرض ہم نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ ہم ڈرنے والے نہیں ہم کسی سے خوف کھانے والے نہیں ہم پر کسی کی طاقت اور قوت کا کوئی رُعب نہیں۔ پھر ہم پر خوشامدی ہونے کا الزام کس منہ سے لگایا جاتا ہے؟

ہم گورنمنٹ کی مخالفت میں کیوں شریک نہیں ہوتے؟

وہ کیا بات ہے جس کی وجہ سے ہم گورنمنٹ کے خلاف فتنہ و فساد سے الگ رہتے ہیں؟ اور کیوں گورنمنٹ کی وفاداری کرتے ہیں؟ وہ یہ ہے کہ ہمارے امامؑ نے ہاں اس امامؑ نے جس نے ہمیں ظلمت و تاریکی سے نکالا اس نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ یہ حکومت جس نے اس ملک میں انتظام کر رکھا ہے اس کی اطاعت کرو۔ اس میں انگریزوں کی شرط نہیں۔ بلکہ شرط یہ ہے کہ جس ملک میں رہو اس ملک کی گورنمنٹ کی اطاعت کرو۔ پس اگر ہم کابل میں رہیں گے تو اسی کی اطاعت کریں گے۔ اور اگر جرمنی میں رہیں گے تو اسی کی اطاعت کریں گے اور اگر فرانس میں رہیں گے تو اسی کی اطاعت کریں گے جہاں جہاں ہماری جماعت ہوگی وہاں جو بھی سلطنت ہوگی اس کی اطاعت کرے گی اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ اگر دُنیا مان لے تو تمام دُنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے اور کوئی جنگ اور لڑائی نہیں اُٹھ سکتی۔

دیکھو جرمنی نے محض اس خیال سے جنگ شروع کی کہ اس نے سمجھا کہ انگریزوں کے ممالک میں بغاوت ہو جائے گی۔ ورنہ اگر اسے یہ یقین ہوتا کہ انگریزوں کی ساری رعایا لڑ کر مر جائے گی۔ مگر اپنی حکومت سے بغاوت نہ کرے گی تو وہ کبھی جنگ نہ کرتا۔ پس جس ملک کے متعلق دشمن کو یہ یقین ہو کہ وہاں کا ہر فرد اپنی گورنمنٹ کا وفادار رہے گا لڑ کر مر جائے گا مگر ہتھیار نہ ڈالے گا وہاں کبھی حملہ کرنے کی جرأت نہ کرے گا۔ ایک گورنمنٹ دوسری گورنمنٹ پر تبھی چڑھائی کرتی ہے جب وہ جانتی ہے کہ اس کے افراد میں وفاداری نہیں رہے گی۔ یہ لالچ اس کو خراب کرتا اور حملہ کرنے کی جرأت دلاتا ہے۔

یہ تعلیم جو مسیح موعودؑ نے اپنی جماعت کو دی ہے کہ جس سلطنت میں کوئی ہو اس کی وفاداری کرے اگر دُنیا اس پر عمل پیرا ہو جائے تو آج امن قائم ہو جائے اور تمام فساد دُور ہو جائیں۔

پھر ہم گورنمنٹ کی اس لئے وفاداری کرتے ہیں کہ ہمیں ایک بہت عظیم الشان کام درپیش ہے اور اسے سرانجام دینے کے لئے امن کی ضرورت ہے۔ دوسروں کو تو یہ فکر ہے کہ فلاں ملک کسی طرح مل جائے۔ مگر ہمیں یہ خیال ہے کہ خدا تعالیٰ کی بادشاہت آجائے۔ اور جس شخص کے سامنے کوئی بہت بڑا مقصد ہوتا ہے وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف متوجہ نہیں ہوا کرتا اور جس شخص نے ایک لمبے سفر پر جانا ہو وہ تھوڑے سے نقصان کی کوئی پرواہ نہیں کیا کرتا۔ مثلاً کسی کا ایک روپیہ گر پڑے اور اسے ریل پر جانا ہو جو آگئی ہو تو کیا وہ روپیہ کی تلاش میں بیٹھ جائے گا؟ اور ریل پر نہیں جائے گا؟ نہیں وہ ایسا نہیں کرے گا اور اگر بیٹھے گا تو بیوقوف کہلائے گا۔ پس ہمارا کام چونکہ بہت بڑا ہے اس لئے ہم چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتے۔ دوسروں کو تو یہ خیال ہے کہ ترکوں کی بادشاہت جا رہی ہے اس کو قائم کریں۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ خدا کی بادشاہت سے لوگ نکل رہے ہیں ہم اس کو قائم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ تو کھلونے کے جانے پر غم و غصہ کا اظہار کر رہے ہیں مگر ہم حقیقت کے جانے پر متفکر ہو رہے ہیں۔ اگر ان میں اسلام کی سچی تڑپ تھی اور اسلام سے فی الواقع انہیں محبت تھی تو جب اسلام مٹ رہا تھا اس وقت وہ کہاں تھے؟ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی کتابوں میں بار بار لکھا کہ مسلمانو! کچھ ہوش کرو لاکھوں مسلمان عیسائی ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے رہے ہیں۔ کوئی فکر کرو۔ مگر انہیں اس وقت قطعاً غصہ نہ آیا اور ذرا بھی توجہ نہ کی۔ اب کہتے ہیں کہ اسلام کے مٹنے پر ہم ناراض ہو رہے ہیں۔ حالانکہ یہ اسلام کے مٹنے پر ناراض نہیں ہو رہے بلکہ ترکوں کے مٹنے پر ناراض ہو رہے ہیں۔

پھر دیکھو وہ کہتے ہیں۔ خلافت کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے اور گائے کا کھانا چھوٹا۔ اس لئے ہم گائے کا ذبح کرنا ترک کر دیتے ہیں تاکہ ہندو ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں اور ان کی مدد سے خلافت مل جائے۔ ہم کہتے ہیں ہمارے نزدیک چونکہ خدا کی بادشاہت بڑی ہے اور دوسرے جھگڑے چھوٹے اس لئے ہم انگریزوں سے صلح رکھنا چاہتے ہیں تاکہ امن میں ہم خدا کی بادشاہت کو قائم کر سکیں۔ پس انہوں نے نام نہاد خلافت کے لئے ہندوؤں سے صلح کر لی ہے اور ہم نے خدا کی بادشاہت کے لئے انگریزوں سے صلح کر لی۔ وہ عراق عرب لینے کے لئے ہندوؤں سے صلح کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ مل کر انگریزوں کو ان علاقوں سے نکال دیں گے۔ لیکن ہم کہتے ہیں ہندو اگر اتنے ہی بہادر تھے تو انہوں نے ہندوستان کیوں دوسروں کے حوالہ کر دیا تھا۔ بہرحال کہا جاتا ہے کہ ہندوؤں سے اس لئے ہم صلح کرتے ہیں کہ عراق، عرب اور شام خالی کرا لیا جائے۔ ہم کہتے ہیں چونکہ ہم نے ساری دُنیا کو لینا ہے اس لئے ہم ساری دنیا سے صلح کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم خدا کا نام بلند کرنے کے لئے مختلف ممالک میں تبھی جا سکتے ہیں جب کہ امن قائم ہو۔ اور جہاں امن نہ ہو وہاں ہم نہیں جا سکتے۔ پس اس بڑے مدعا کو حاصل کرنے کے لئے ہم ہر قوم سے صُلح کرنا چاہتے ہیں اور صُلح کرتے رہیں گے۔ جبتک کہ ہمارا مدعا پورا نہ ہو جائے اور خدا کی حکومت قائم نہ ہو جائے اور جب خدا کی حکومت قائم ہو جائے گی تب پھر کسی جنگ کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔

موجودہ فسادوں کی خبر قرآن میں

پھر ہم اس لئے صلح کرتے ہیں کہ امن کے قیام کے لئے ہمیں پہلے سے خبر دی گئی ہے اور آج نہیں بلکہ آج سے تیرہ سو سال قبل قرآن کریم میں اس زمانہ کے فسادوں کا ذکر کیا گیا ہے اس لئے اس موقعہ پر ہم وہی کام کرتے ہیں جو خدا نے بتایا ہے کہ ہمیں کرنا چاہئے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۝ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝ (الناس)

اے مسلم تو کہہ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ میں پناہ مانگتا ہوں اس سے جو آقا ہے تمام لوگوں کا۔ مَلِكِ النَّاسِ جو بادشاہ ہے تمام لوگوں کا۔ اِلٰهِ النَّاسِ جو معبود ہے تمام لوگوں کا۔

ان آیات میں خدا تعالیٰ کی تین صفات کا ذکر ہے اور کہا گیا ہے کہ ان کے ذریعہ پناہ مانگو۔ یعنی یہ کہو کہ اے خدا! جو رب ہے لوگوں کا ہم تیری پناہ مانگتے ہیں۔ اے خدا! جو بادشاہ ہے سب کا ہم تیری پناہ مانگتے ہیں۔ اے خدا! جو معبود ہے سب کا ہم تیری پناہ مانگتے ہیں۔ اور یہ ظاہر بات ہے کہ جس

چیز کی طرف نسبت دے کر پناہ مانگی جاتی ہے دراصل اسی چیز سے پناہ پانا مقصود ہوتا ہے۔ مثلاً جب ہم کہتے ہیں۔ اے کُتّے والے ہمیں بچا تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمیں کُتّے سے بچا یا اگر کسی ایسی جگہ جاتے ہیں جہاں کسی نے شیر پالا ہو اور کہیں کہ اے شیر والے دوڑیو تو معلوم ہوگا کہ شیر سے بچنے کے لئے کہہ رہے ہیں۔ اب جب ہم رب۔ مَلِك اور اِلٰه سے پناہ مانگتے ہیں تو معلوم ہوا کہ ان صفات کا جن چیزوں سے تعلق ہے ان سے پناہ چاہتے ہیں پس جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ تو معلوم ہوا کہ صفت رب کے متعلق کوئی تکلیف ہے اس سے پناہ مانگتے ہیں۔ اسی طرح جب کہتے ہیں مَلِكِ النَّاسِ تو معلوم ہوا کہ صفت ملک کے متعلق کوئی تکلیف ہے جس سے بچنا چاہتے ہیں۔ اور جب کہتے ہیں اِلٰهِ النَّاسِ تو معلوم ہوا کہ صفت الوہیت کے متعلق کوئی تکلیف ہے جس سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں۔

اب دیکھو صفت رب، مَلِك اور اِلٰه کا کن چیزوں سے تعلق ہے؟ اور اس کے کون سے ظل ہیں؟ رب کے معنی آقا کے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آقا کے متعلق جھگڑے ہونے والے ہیں ان سے پناہ مانگنے کی دُعا سکھائی گئی ہے اور یہ جھگڑے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ آقا نوکر سے جھگڑے اور دوسرے یہ کہ نوکر آقا سے جھگڑے۔ گویا خدا تعالیٰ سے جو سب کا آقا ہے پناہ مانگنے کا یہ مطلب ہے کہ یا تو دنیا کے آقا نوکروں کو دُکھ دیتے ہیں، ظلم کرتے ہیں، تکلیف پہنچاتے ہیں یا نوکر دنیاوی آقاؤں کو تنگ کرتے اور تکلیف پہنچاتے ہیں۔

پھر خدا تعالیٰ کی صفت ملکیت سے پناہ مانگنے کا یہ مطلب ہے کہ یا تو دنیاوی بادشاہ رعایا پر ظُلم کرتے ہیں اور دُکھ دیتے ہیں۔ یا رعایا بادشاہ کی بغاوت کرتی ہے۔

اسی طرح اللہ سے پناہ مانگنے کا یہ مطلب ہے کہ اس صفت کے اظلال مولویوں، پادریوں اور پنڈتوں سے جو کہ دین کے وارث کہلاتے ہیں لوگوں کو دُکھ پہنچتا ہے اس سے پناہ مانگی گئی ہے۔ یا لوگوں سے ان کو جو دُکھ پہنچتے ہیں ان سے حفاظت چاہی گئی ہے۔

چھ قسم کے فسادوں کی خبر

اسی طرح یہ چھ باتیں ان آیات سے نکلتی ہیں اور ان چھ اقسام کے فسادوں کی خبر ان میں دی گئی ہے۔ (۱) یعنی یہ کہ ایک زمانہ میں ایک تو یہ فساد ہوگا کہ نوکر آقا کے خلاف سٹرائیکیں[عہ] کریں گے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے تم اس فتنہ سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو۔ (۲) یہ کہ آقا اتنے ظالم ہوں گے کہ نوکروں کے حقوق کی کوئی پرواہ نہیں کریں گے اس لئے تم ایسے آقاؤں کے ظلموں سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے

عہ STRIKES

رہو۔ (۳) یہ کہ رعایا بادشاہ کی مخالفت کرے گی اس وقت تم دعا کرو کہ اے خدا! اصل بادشاہ تو تُو ہی ہے تو ہمیں ان فتنوں سے بچا۔ (۴) یہ کہ بادشاہ رعایا پر ظلم کریں گے اس کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے ہی دُعا کرو کہ وہ ان کے ظلموں سے تمہیں بچائے۔ (۵) یہ کہ اس وقت دین کے محافظ اور اللہ تعالیٰ کے اظلال ہونے کے مدعی دین کے علماء فتنے پھیلائیں گے اس کے لئے یہ دعا کرو کہ اے خدا! ان مولویوں پنڈتوں، پادریوں کے فتنے سے ہمیں بچا۔ (۶) یہ کہ مولوی جو سچی بات بھی کہیں گے اسے لوگ نہیں مانیں گے اس فتنہ سے بچنے کے لئے بھی دُعا کرو۔

تو یہ چھ قسم کے فساد ہوں گے۔ ملازم آقا کے مقابلہ پر کھڑے ہو جائیں گے۔ اور آقا ملازموں پر ظلم کریں گے۔ رعایا بادشاہ کا مقابلہ کرے گی بغاوت پھیلائے گی اور بادشاہ رعایا پر ظلم کریں گے مولوی جھوٹے فتوے دے کر لوگوں سے غلط باتیں منوائیں گے۔ اور لوگ سچی باتوں کا بھی انکار کرینگے اور دہریت کی طرف چلے جائیں گے۔

فتنوں کے وقت مؤمن کا کام

یہ باتیں بیان کر کے بتایا ہے کہ اس وقت سچے مسلمان کا کیا کام ہوگا؟ یہ کہ خدا تعالیٰ سے پناہ مانگے کہ اے خدا! میں نہ تو سٹرائیک کرنے والوں میں سے بنوں اور نہ ایسے آقاؤں میں سے جو ملازموں پر ظلم کرتے ہیں۔ پھر نہ تو میں اس رعایا کی طرح ہو جاؤں جو بغاوت کرتی ہے اور نہ ایسے بادشاہ کی طرح جو رعایا کے حقوق نہیں ادا کرتا ہے۔ پھر نہ تو میں ان کی طرح ہو جاؤں جو تیری عبادت کی بجائے شیطان کی عبادت کراتے ہیں اور نہ ایسا کہ جو سچا واعظ ملے اس کی بھی بات نہ مانوں اور انکار کر دوں۔

اب دیکھ لو کہ ان فسادوں کے سوا کوئی اور فساد ہے جو اس زمانہ میں ہو رہا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور پھر ان باتوں کے بیان کرنے میں ترتیب کیسی اعلیٰ درجہ کی رکھی گئی ہے۔ ادنیٰ فسادوں کے بعد بڑے فسادوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے آقا اور نوکر کے تعلق کے متعلق بتایا ہے۔ پھر رعایا اور بادشاہ کے تعلق کے متعلق جو اس سے اعلیٰ ہے پھر عبد اور معبود کے تعلق کا ذکر کیا ہے جو سب سے اعلیٰ ہے۔

موجودہ زمانہ کے فسادوں کی نوعیت کا ذکر قرآن میں ہے

ان باتوں کے متعلق ہمارا یہی فرض ہے کہ ہم ان میں کوئی حصہ نہ لیں اور ان سے پناہ مانگیں۔ مگر پیشگوئی یہاں تک ہی نہیں بلکہ آگے بھی بڑھتی ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ وہ زمانہ ہوگا کہ ہر بات کے لئے آرگنائزیشن ہوگی۔ ایک انتظام کے ماتحت یہ فساد ہوں گے۔ لوگ فرداً فرداً ان میں حصہ نہیں لیں گے بلکہ دوسروں کو بھی اُکسائیں گے

اور اپنے ساتھ ملائیں گے۔ آقا کی ملازمت ایک نوکر خود ہی نہیں چھوڑے گا بلکہ دوسروں کو بھی کہے گا کہ تم بھی چھوڑ دو۔ اسی طرح آقا دوسرے آقاؤں کو کہے گا کہ اگر میں کسی ملازم کو اپنے کارخانہ سے نکالوں تو تم اس کو نہ رکھنا۔ آقا اپنی مجلسیں بنائیں گے اور نوکر اپنی الگ۔

دوسری پیش گوئی بادشاہ کے فساد کے متعلق تھی۔ اس کے متعلق بتایا کہ ساری دنیا کی رعایا دُنیا کے بادشاہوں کے مقابلہ پر مل کر کھڑی ہو جائے گی۔ اب دیکھو ہندوستان میں ہلچل ہے تو ولایت سے لیبر پارٹی کے ممبر یہاں کے لوگوں کی ہم نوائی کے لئے آرہے ہیں۔ اسی طرح بادشاہوں کو دیکھو۔ ان کی انجمن بنائی گئی ہے۔ جس میں یہ کیا جاتا ہے کہ ایک ملک سامنے رکھ کر کہا جاتا ہے اس کو آپس میں بانٹ لیں تاکہ آپس میں کوئی لڑائی جھگڑا نہ ہو۔ تو ادھر رعایا بادشاہوں کے خلاف جو سمجھوتے کر رہی ہے وہ بھی ایک انتظام کے نیچے کر رہی ہے۔ ادھر بادشاہوں کا جتھا بن رہا ہے کہ اگر ایک کو مدد کی ضرورت ہو تو دوسرا اس کا ساتھ دے۔

پھر اِلٰہِ النَّاسِ کو لیتے ہیں۔ اس سے تعلق رکھنے والے فسادی ہوں گے لیکن یہ نہیں ہوگا کہ کوئی دہریہ ہو تو وہ اپنے آپ کو ظاہر نہ کرے۔ بلکہ دہریوں کی بھی انجمن ہوگی اور وہ علی الاعلان کہیں گے کہ خدا کا غلط عقیدہ لوگوں کے دلوں سے مٹانا ہمارا کام ہے۔ اب دیکھ لو اسی ہندوستان میں دیوسماجیوں کی انجمن موجود ہے۔ پہلے زمانہ میں بھی دہریے تھے مگر وہ اپنے خیالات کو الگ الگ ظاہر کرتے تھے کوئی ان کی انجمن نہ تھی جو اخباریں اور ٹریکٹ شائع کرتی۔ مگر اس زمانہ میں ہندوستان میں بھی ان کی انجمن موجود ہے اور یورپ کے تمام ممالک میں بھی ان کی انجمنیں پائی جاتی ہیں۔ پھر اسلام کے خلاف لڑنے والوں کی بھی انجمنیں موجود ہیں اور تو اور مولویوں کو دیکھو جو کبھی اکٹھے ہو کر نہیں بیٹھتے تھے مگر اب ان کی بھی کانفرنسیں ہوتی ہیں۔ پھر پادریوں کی بھی انجمنیں ہیں۔ ایک مقولہ تھا۔ کہ پادری کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ مگر اب وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ مل کر کام کرنا چاہئے۔ یہ وہی پیشگوئی پوری ہو رہی ہے۔ جو اس طرح بیان کی گئی ہے کہ۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

جس کے دل میں جو خیال پیدا ہوگا وہ اکیلا اس کے مطابق کام نہیں کرے گا بلکہ دوسروں کو بھی اپنے ساتھ ملائے گا۔

جس طرح رَبِّ النَّاسِ میں دو فسادوں کا ذکر تھا ایک آقا کا نوکروں کے متعلق اور دوسرا

نوکروں کا آقا کے متعلق جس طرح مَلِكِ النَّاسِ میں دو فسادوں کا ذکر تھا ایک بادشاہ کا رعایا کے متعلق اور دوسرا رعایا کا بادشاہ کے خلاف۔ اور جس طرح اِلٰهِ النَّاسِ میں دو فسادوں کا ذکر تھا ایک پادریوں، پنڈتوں اور مولویوں کے متعلق اور دوسرا عوام کے متعلق۔ اسی طرح اس آیت میں کہ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝ یہ بتایا ہے۔ کہ دونوں فریقوں کی انجمنیں اور کمیٹیاں ہوں گی۔ صرف ایک فریق کی نہیں۔ اگر صرف شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ ہوتا اور ساتھ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ نہ ہوتا۔ تو پہلے حصہ کے متعلق ایک فریق کہتا کہ اس میں دوسرے کا ذکر ہے اور دوسرا فریق کہتا کہ اس میں پہلے کا ذکر ہے۔ مگر اس میں بتا دیا گیا کہ دونوں فریق کا یہی حال ہوگا۔ کچھ بڑے لوگ ہوں گے اور کچھ چھوٹے۔ وہ فساد جو آقا نوکروں کے خلاف کریں گے وہ بھی انتظام کے ماتحت ہوگا اور وہ فساد جو نوکر آقا کے خلاف کریں گے وہ بھی انتظام کے ماتحت ہوگا پھر وہ فساد جو رعایا بادشاہ کے خلاف کرے گی یا بادشاہ رعایا کے خلاف کرے گا اس میں بھی انتظام ہوگا۔ اسی طرح وہ فساد جو اللہ کے خلاف ہوگا یا وہ جو اللہ کے جھوٹے ظل لوگوں کے خلاف کریں گے وہ بھی انتظام کے ماتحت ہوگا۔

زمانہ موجودہ کے فساد

موجودہ زمانہ کے فسادات کے متعلق یہ ایسی صاف اور واضح پیشگوئی ہے کہ اگر دشمن کے سامنے بھی پیش کی جائے گی تو وہ بکا بکا رہ جائے گا۔ اب دیکھو یہی فساد دُنیا میں ہو رہے ہیں یا نہیں؟ کارخانوں کے ملازم ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ سٹرائیکس کرو اور اپنی انجمنیں بناؤ۔ اسی طرح مالک اپنی انجمنیں بنا رہے ہیں۔ تاجر آقا اپنی انجمنیں بنا رہے ہیں۔ زمیندار آقا اپنی اور اسی طرح دوسرے آقاؤں کی انجمنیں بن رہی ہیں۔ پھر ہر قسم کے ملازم اور نوکر اپنی انجمنیں بنا رہے ہیں۔ اس موقع کے لئے ایک مؤمن کو خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے تو یہ کہہ کہ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ میں پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ ان میں سے کسی میں بھی شامل ہوؤں۔

پھر اس وقت بادشاہ رعایا کو تباہ کرنے میں لگے ہوں گے۔ اور رعایا بادشاہوں کے خلاف جوڑ توڑ کر رہی ہوگی۔ اس وقت ایک مؤمن یہی کہے گا۔ کہ مَلِكِ النَّاسِ میں نہ تو ایسی باغی رعایا میں سے بنوں اور نہ ایسے ظالم بادشاہ کی طرح۔ پھر وہ یہ کہے گا کہ نہ تو میں ایسا بنوں کہ جھوٹے طور پر علم کے ذریعہ لوگوں کو اپنا غلام بناؤں اور نہ ایسا کہ سچی باتوں کو بھی نہ مانوں۔ اے خدا! ان سب باتوں سے

مجھے بچا۔

یہ پیش گوئی ہے۔ جس کے ماتحت ہم کام کر رہے ہیں نہ کہ یونہی کام کرتے ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے تیرہ سو سال قبل ہمارے لئے یہ کام بتا دیا تھا جو اب ہم کر رہے ہیں۔

جو کچھ کہا جائے اس کا مخاطب اپنے آپ کو سمجھو

اب میں اصل موضوع کو لیتا ہوں جس پر آج مجھے تقریر کرنی ہے مگر اس سے پہلے میں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ بعض لوگ کسی ہدایت سے اس لئے محروم رہ جاتے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اس کے مخاطب ہم نہیں بلکہ دوسرے ہیں۔ اگر ایک مجلس میں کہا جائے کہ جھوٹ نہیں بولنا چاہئے یہ بہت بُری بات ہے تو بعض لوگ ایسے ہوں گے جن کی اس بات کو سن کر چیخیں نکل جائیں گی۔ مگر اس لئے نہیں کہ وہ سمجھیں گے کہ ہم جھوٹ بولتے ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ کہیں گے دوسرے لوگ ایسے ہیں جو جھوٹ بولتے ہیں۔ وہ اس وقت غصہ سے اپنے دائیں بائیں دیکھیں گے اور اپنی حرکات سے غم و غصہ کا اظہار کریں گے کہ لوگ کیوں جھوٹ بولتے ہیں لیکن یہ خیال کسی کو نہ آئے گا کہ شائد میں ہی اس نصیحت کا مخاطب ہوں مؤمن کا یہ کام نہیں ہوتا۔

پس یاد رکھو کہ جب وعظ ہو رہا ہو تو اس کا مخاطب اپنے ہی نفس کو سمجھنا چاہئے۔ اس موقعہ پر شیطان اس طرح دھوکا دیا کرتا ہے کہ اس کے مخاطب تم نہیں ہو بلکہ دوسرے ہیں اور اس طرح اس سے فائدہ اُٹھانے سے محروم رکھتا ہے۔ کیونکہ اگر شیطان یہ کہے کہ جھوٹ اچھی بات ہے اگر تم میں پایا جاتا ہے تو کوئی حرج نہیں تو اس کی بات کوئی نہیں مانے گا۔ لیکن جب یہ کہتا ہے کہ جھوٹ فی الواقع بہت بُری چیز ہے اور اس سے بچنے کی جو نصیحت کی جا رہی ہے وہ بہت ضروری ہے مگر اس نصیحت کے مخاطب دوسرے لوگ ہیں تم نہیں ہو۔ تو بہت سے لوگ اس نصیحت سے فائدہ اُٹھانے سے محروم رہ جاتے ہیں پس میں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ جو کچھ کہا جائے اسے خوب غور سے سنیں۔ اور ہر وہ شخص جس کے کان تک بات پہنچے وہ سمجھے کہ میں اس کا مخاطب ہوں۔ کیونکہ اگر وہ یہ سمجھے گا کہ میں نہیں بلکہ اس کے مخاطب دوسرے ہیں تو اسے کچھ فائدہ نہیں ہوگا اور وہ کورے کا کورا ہی رہے گا۔

اپنے اپنے نفس میں غور کرو

اب میں اصل بات کی طرف توجہ کرتا ہوں۔ ہم لوگ جو احمدی کہلاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہم میں ایک بات ہے جو غیروں میں نہیں ہے اس وجہ سے ہم خوش بھی ہوتے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ جب حضرت مسیح موعودؑ نے ہم میں نیکی اور تقویٰ کا بیج بویا تھا اس

وقت سے اب تک ہم نے کتنی ترقی کی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا ہے کہ نبی صرف بیج بویا کرتا ہے اور آپؑ نے ایسا ہی کیا۔ اُس زمانہ میں لوگ شور مچا رہے تھے کہ تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ اختیار کرو مگر نہ کوئی ان کی بات سُنتا اور نہ کوئی تقویٰ اختیار کرتا۔ لیکن جب حضرت مرزا صاحبؑ نے آکر کہا کہ تقویٰ اختیار کرو تو جو سعید لوگ تھے وہ کھڑے ہو گئے۔ اور انہوں نے آپؑ کی آواز پر لبیک کہا۔ گو اکثر لوگوں نے توجہ نہ کی۔ پھر آپؑ نے پہلے سے زیادہ بلند آواز کے ساتھ بلایا اس پر کچھ اور لوگ نکل آئے۔ پھر آپؑ نے اس سے بلند آواز کے ساتھ پکارا اور اس پر دائیں بائیں آگے پیچھے غرض چاروں طرف سے لوگ نکل آئے اور انہوں نے آپؑ کی آواز پر لبیک کہا۔ تب خدا تعالیٰ نے تقویٰ کا بیج لیا اور ان زمینوں میں ڈالا جو اس کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو چکی تھیں اور پھر ان کی آبپاشی کی۔ جب وہ بیج اُگ آیا تو سنت اللہ کے ماتحت مسیح موعودؑ فوت ہو گئے۔ اب مَیں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ وہ بیج ترقی کر کے کس حد کو پہنچ گیا ہے؟ اگر وہ بلند نہیں ہؤا اور بڑھا نہیں۔ تو کیا یہ فکر اور اندیشہ کی بات نہیں ہے؟ کیونکہ جو بیج نہیں بڑھتا وہ خشک ہو جاتا ہے۔ پس وہ بیج جو حضرت مسیح موعودؑ نے تمہارے قلب میں بویا دیکھو کہ اس نے کچھ ترقی کی یا نہیں؟ اگر کوئی ترقی نہیں کی تو بتاؤ تم نے اس کے لئے کیا فکر کیا ہے؟ بیشک تم لوگوں میں اخلاص اور محبت ہے اور دین کے لئے قربانی کرنے کی روح بھی ہے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے یقین دلایا ہے کہ ایک جماعت ہو گی جو حضرت مسیح موعودؑ کے بوئے ہوئے درخت کو بڑھائے گی اور دُنیا اس کے نیچے بسے گی۔ مگر ہر شخص اپنے نفس کے متعلق غور کر کے دیکھے کہ وہ بھی ان میں ہو گا یا نہیں؟ اگر وہ نہیں ہو گا تو اسے کیا فائدہ؟ کیا ایک بھوکا اس طرح سیر ہو سکتا ہے؟ کہ اس کے ہمسایہ نے کھانا کھا لیا؟ یا ایک ننگا اس طرح اپنی ستر پوشی کر سکتا ہے کہ اس کے ہمسایہ نے کپڑے پہن لئے؟ یا ایک پیاسا اس طرح اپنی پیاس بُجھا سکتا ہے کہ اس کے ہمراہی نے پانی پی لیا؟ اگر نہیں تو تم اس بات پر خوش نہ ہو کہ بعض تم میں سے نیک اور متقی ہیں اور ان کا خدا تعالیٰ سے تعلق ہے۔ بلکہ اپنے متعلق دیکھو تمہارا کیا حال ہے؟ تمہارے دل میں جو بیج ڈالا گیا ہے وہ کس حالت میں ہے؟

ابراہیمی سنّت پر چلو

حضرت ابراہیمؑ کی سنت کو یاد رکھو۔ جب خدا تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ میں مُردوں کو زندہ کرتا ہوں۔ ادھر بادشاہ سے اس مضمون پر مقابلہ بھی کرا دیا اور زندہ کرنے کی مثال بھی دے دی جب انہیں خدا سے مکالمہ نصیب ہؤا تو چونکہ دُور اندیش اور عقلمند انسان تھے سب کچھ سن کر کہا۔ یہ تو سب ٹھیک ہے لیکن مجھے کس طرح اطمینان ہو؟ گویا مطلب یہ کہ مجھے زندہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا تمہیں زندہ کریں گے اور مثال کے

ذریعہ سمجھایا کہ تمہاری قوم چار دفعہ اُٹھے گی۔ ایک دفعہ حضرت موسیٰؑ کے ذریعے دوسری دفعہ حضرت مسیح کے ذریعے تیسری دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اور چوتھی دفعہ حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعے۔ یہ ان کا کمال تھا کہ موقع تاڑ کر خدا تعالیٰ سے اپنی قوم کے لئے یہ وعدہ لے لیا۔ جونہی انہوں نے دیکھا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم اس طرح قوموں کو زندہ کرتے ہیں اور جاؤ جا کر بادشاہ سے اس کے متعلق بحث کرو۔ تو وہ بحث کرنے چلے گئے اور آ کر کہا بحث تو میں کر آیا ہوں مگر مجھے اس سے کیا فائدہ؟ مجھے تو میری قوم کے زندہ کرنے کا وعدہ دیں تب بات ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ اچھا تمہاری قوم کو بھی زندہ کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہؤا حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے حضرت موسیٰؑ ہوئے جن کے ذریعہ ان کی قوم زندہ ہوئی۔ پھر حضرت عیسیٰؑ ہوئے ان کے ذریعہ قوم زندہ ہوئی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے انہوں نے قوم زندہ کی اور پھر حضرت مسیح موعودؑ ہوئے ان کے ذریعہ قوم زندہ کی گئی۔ یہ چار دفعہ ان کی قوم سے زندہ پرندے اُڑے اور اُڑ کر خدا تعالیٰ کی طرف گئے۔

تو حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ زندہ پرندے پیدا ہوئے۔ جو تقویٰ اور طہارت کے پروں سے اُڑ کر خدا تعالیٰ تک پہنچنے والے ہیں۔ مگر دوسروں کے فائدہ سے تمہیں کیا۔ بے شک مؤمن کا دل چاہتا ہے کہ دوسرے بھی فائدہ اُٹھائیں۔ مگر اس کا دل یہ بھی تو چاہتا ہے کہ وہ خود بھی فائدہ اُٹھائے۔ بیشک ہماری جماعت میں بعض لوگ متقی اور پرہیزگار ہیں مگر ان کی وجہ سے تمہیں کس طرح تسلّی ہو سکتی ہے؟ اگر تم متقی اور پرہیزگار نہیں ہو؟ دیکھو حضرت ابراہیمؑ کو باوجود نبوت کے تسلّی نہ تھی اور وہ چاہتے تھے کہ جو کچھ ملے لے لیں۔ اور موقع پا کر انہوں نے جو کچھ مل سکتا تھا لے بھی لیا۔ مگر تم اگر متقی بھی نہیں ہو تو تمہیں کیونکر تسلّی ہو جاتی ہے؟ اور تم کیوں آئندہ کے لئے کوئی کوشش نہیں کرتے؟

پس تم ابراہیمی سنت پر چلو اور کبھی تسلّی نہ پاؤ۔ بلکہ خدا تعالیٰ سے مانگتے ہی رہو اور اس وقت تک لیتے ہی رہو جب تک کہ تمہیں ملتا رہے۔ پس تم وہ رستے تلاش کرو کہ اوپر ہی اوپر اُڑتے رہو۔ خدا تعالیٰ نے تمہارا نام پرندہ رکھا ہے پھر تم پرندے ہو کر غاروں میں کیوں گھسو؟ حضرت ابراہیمؑ کو خدا تعالیٰ نے یہ نہیں کہا تھا کہ اُلو پالو۔ بلکہ یہ کہا تھا کہ پاک اور روشنی کو پسند کرنے والے پرندے پالو۔ اور انہوں نے ایسے ہی پرندوں کو پالا تھا پھر تم کیوں اندھیرے کو پسند کرو؟ پس تم اپنی حالتوں پر مطمئن نہ ہو جاؤ بلکہ کوشش کرو کہ خدا تعالیٰ ہر روز تمہاری حالت کو اور بلند کرے۔ قرآن کریم نے اس ترقی کے لئے دو رستے بتائے ہیں۔

مؤمن کے دو کام

قرآن نے مؤمن کا یہی کام مقرر نہیں فرمایا کہ وہ آپ اُڑے بلکہ یہ کام مقرر کیا ہے کہ وہ آپ بھی اُڑے اور دوسروں کو بھی اُڑائے۔ قرآن نے تمہیں چڑیا اور طوطے کی طرح نہیں بنایا بلکہ ایروپلین بنایا ہے تاکہ آپ بھی اُڑو اور دوسروں کو بھی اُڑاؤ۔ تمام قرآنِ کریم سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ غرض قرآن نے مؤمن کے دو کام بتائے ہیں کہ وہ خود بھی پرندہ بن جائے یعنی خود متقی اور پرہیزگار بن جائے اور دوسروں کو بھی بنائے۔ لوگوں کو کھینچ کر اوپر لے آئے اور خدا سے ملائے۔ اور یہ لازمی نتیجہ ہے پہلی بات کا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ پر وہی عاشق ہوگا جسے یقین ہوگا کہ خدا تعالیٰ میں تمام خوبیاں ہیں اور ہم دیکھتے ہیں یہ قدرتی بات ہے کہ جن کو کسی چیز میں خوبیاں معلوم ہوتی ہیں وہ دوسروں کو وہ خوبیاں دکھاتے ہیں۔ کوئی تو بدنیتی سے کہ ان کو دوسروں پر فخر حاصل ہو۔ اور کوئی نیک نیتی سے کہ دوسروں کو بھی فائدہ پہنچے۔ دیکھو قرآن کریم ادھر تو یہ کہتا ہے کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى ۙ كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ (البقرۃ: ۲۶۵) ان لوگوں کی طرح نہ بنو جو ریاء کے طور پر مال خرچ کرتے ہیں۔ مگر ادھر کہتا ہے وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (الضحیٰ: ۱۳) کہ لوگوں کو بتا بتا کر خدا کی نعمتوں سے آگاہ کرو۔ یہ ریاء نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ لوگ بھی ان کو دیکھ کر ان کے حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ غرض ہر قسم کا اظہار ریاء نہیں ہوتا بعض حالات میں ایک بات کا اظہار ریاء ہو جاتا ہے مگر دوسرے حالات میں اسی امر کا اظہار ریاء نہیں ہوتا مثلاً اگر ایک شخص اچھے اچھے کپڑے اس لئے پہن کر لوگوں میں جاتا ہے کہ وہ اسے بڑا مالدار سمجھیں تو یہ ریاء ہے لیکن اگر وہی شخص عید کے دن یا جمعہ کے دن عمدہ لباس پہن کر نکلے تا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل ہو۔ یا مثلاً اگر کہیں بخار پھیلا ہو اور کسی کے پاس کونین ہو اور وہ لوگوں کو بتائے کہ میرے پاس کونین ہے تو یہ ریاء نہیں ہوگا۔ اور کوئی نہیں کہے گا کہ یہ اپنی عقلمندی جتا رہا ہے کہ مَیں نے پہلے سے ہی کونین رکھی ہوئی تھی۔ کیونکہ اس کا اس امر کو ظاہر کرنا ضروری ہوگا تاکہ لوگوں کو فائدہ پہنچے۔

تو مؤمن کا فرض اپنا ہی کام کرنا نہیں بلکہ دوسروں کا بھی کرنا ہے۔ اب میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ آپ نے ان دونوں اقسام کی نیکیوں میں سے کتنا حصہ لیا ہے؟

پہلی باتیں کیوں دوہرائی جاتی ہیں؟

ان باتوں میں سے جو اصلاح نفس کے متعلق ہیں اور جو دوسروں کی اصلاح کے لئے ہیں بعض ایسی ہیں کہ مَیں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں اور بعض نئی ہیں۔ ممکن ہے بعض لوگ کہیں کہ پرانی باتیں پھر ان کو

سنائی جا رہی ہیں۔ مگر یاد رکھو پرانی چیز وہ ہوتی ہے جس کو استعمال میں لے آئیں۔ اور جب تک اسے استعمال نہ کیا جائے وہ پرانی نہیں ہوتی۔ جو کچھ میں آپ لوگوں کو سنا چکا ہوں جب تک اس پر تمہارا عمل نہ دیکھوں اور جو کپڑے میں پہنانا چاہتا ہوں ان کو تمہارے جسم پر نہ دیکھوں میں ان باتوں کو نہیں چھوڑونگا اور بار بار کہتا رہوں گا۔ اگر تم اپنی ضد پر قائم ہو کہ سن لیا اور عمل نہ کیا تو میں بھی اپنی ضد پر قائم ہوں کہ تمہیں سناتا رہوں۔ وہ لوگ جو ان باتوں کو مانتے نہیں ان کی اور میری لڑائی ہے اور میں دیکھوں گا کہ کس کا استقلال قائم رہتا ہے؟ مگر میں ان کو بتانا چاہتا ہوں کہ فائدہ اسی میں ہے کہ ان کا استقلال قائم نہ رہے اور میرا قائم رہے کیونکہ ان کا استقلال قابل فخر استقلال نہیں ہے بلکہ استقلال تو اسے کہا ہی نہیں جا سکتا۔

کسی شاعر نے کہا ہے۔ معلوم نہیں اس نے تو کس نیت سے کہا ہے مگر مجھے بہت پسند ہے۔ کہتا ہے ؎

وہ اپنی خُو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سُبک سر بَن کے کیوں پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو؟

یعنی وہ اپنا طریق نہیں چھوڑتا تو ہم کیوں چھوڑیں؟ اور کیوں اپنی حالت بدلیں؟ ہم نے جو حالت بنائی ہوئی ہے اس میں اگر ہم اس سے پوچھیں کہ ہم پر کیوں ظلم کرتے ہو؟ تو وہ سمجھے گا کہ ہمارے ہوش و حواس درست ہیں۔

یہی تمہارا اور میرا معاملہ ہے۔ جب تک تم اپنی حالت کو نہ بدلو گے میں بھی اپنے رنگ نہیں بدلوں گا۔ میں اس وقت تک ان باتوں کو کہتا رہوں گا جب تک تم ان پر عمل پیرا نہ ہو جاؤ اور اس لباس کو پہن نہ لو۔ جب تم ایسا کر لو گے تو پھر مجھے نئی باتیں کہنے کا موقع ملے گا۔

اصلاحِ نفس کی اقسام

میں بتا رہا تھا کہ اصلاح نفس دو قسم کی ہوتی ہے اور اسلام نے دونوں قسم کی اصلاحوں کو ضروری قرار دیا ہے۔ ایک اپنی اصلاح اور دوم دوسروں کی اصلاح۔ پھر آگے اصلاح کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) بدی کو دُور کرنا۔ اس کو عبادت ترکیہ کہتے ہیں۔

(۲) عبادت فعلیہ جس کا اختیار کرنا ضروری ہوتا ہے۔

تو دو قسم کے کام انسان کے ذمہ ہیں۔ ایک ایسے جو اختیار کرنے والے ہیں اور دوسرے ایسے جن کا چھوڑنا ضروری ہے۔

بدظنی سے بچو

پہلے میں ان دوسری قسم کے کاموں میں سے بعض کو لیتا ہوں یعنی پہلے میں ترک شر کو لیتا ہوں۔ اس میں سے پہلی بات بدظنی ہے۔ بدظنی سے قرآن کریم نے منع فرمایا ہے اور اس سے اتنے فساد پیدا ہوتے ہیں جن کی کوئی حد نہیں۔ مگر اس زمانہ میں بدظنی کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ ہر شخص دل میں خواہ مخواہ ہی خیال کر لیتا ہے کہ یوں ہوگا۔ اخبار میں کوئی خبر پڑھتے ہیں تو خیال کر لیتے ہیں کہ گورنمنٹ کا اس سے یہ مطلب ہوگا یا فلاں شخص کی اس سے یہ غرض ہوگی۔ اگر کسی کا کوئی دوست ہو اور اسے کہے کہ ہمارے گھر چلو تو کہیں گے اس میں اس کا کوئی فائدہ ہوگا۔ اور اگر وہ نہ کہے تو کہیں گے آج کل کون کسی کو پوچھتا ہے؟

غرضیکہ ہر بات میں بدظنی کرتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی زیادہ چندہ دے تو کہیں گے ریاء کے لئے دیتا ہے اور اگر تھوڑا دے تو کہیں گے بخیل ہے خدا کے لئے دینا جانتا ہی نہیں۔ اگر کوئی نماز پڑھے تو کہیں گے صوفی بنتا ہے اور اگر نہ پڑھے تو کہیں گے کافر ہے۔ اگر کوئی کسی سے ہمدردی کرتا ہے تو کہیں گے اس کی کوئی غرض ہوگی اور اگر نہ کرے تو کہیں گے لوگوں کا خون سفید ہو گیا ہے۔

غرض کہ جو بھی کوئی کام کرے اس کا بد پہلو ہی نکالیں گے اور بدظنی ہی کریں گے۔ حالانکہ یہ بات بہت گندی ہے۔ کیونکہ اگر سب لوگ بدظنی پر اتر آئیں تو نیکی قائم ہی نہیں رہ سکتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ (بخاری کتاب الوصایا باب قول اللہ تعالیٰ من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین) بدظنی سب سے بڑا جھوٹ ہے اور جھوٹ تو لوگ دوسروں سے بولتے ہیں مگر یہ ایسا جھوٹ ہے جو اپنے نفس سے بولتے ہیں اور بہت کم لوگ ہیں جو اس سے بچتے ہیں۔ پھر افسوس تو یہ ہے کہ ہماری جماعت میں بھی بہت ہیں جو اس سے نہیں بچتے۔ کوئی سیکرٹری پر بدظنی کرتا ہے کہ مال کھا جاتا ہے۔ کوئی پریذیڈنٹ کے متعلق کہتا ہے کہ غبن کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں اگر اس طرح بدظنی کی گئی تو کسی کو کیا ضرورت ہوگی کہ کام کرے؟ اس طرح بددل ہو کر وہ کام کرنا چھوڑ دے گا اور اس سے سلسلہ کا کام خراب ہوگا بدظنی کرنے والوں کا کیا جائے گا یہاں بھی ایک شاعر کا مصرعہ مجھے یاد آگیا۔ جو کہتا ہے ؎

کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری

ایک شخص جو کام کرے اگر اس کے کان میں اس قسم کی آوازیں آتی رہیں کہ بہت کھاتا ہے اس نے مکان بنوا لیا ہے شادی کر لی ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو اگلے سال وہ کیا کام کرے گا؟ پھر جس طرح ایک کے متعلق کہا جائے گا اسی طرح دوسرے کے متعلق بھی کہا جائے گا اور وہ بھی کام

کرنا چھوڑ بیٹھے گا۔ اس سے ایک طرف تو بدظنی کرنے والا ہلاک ہوگا دوسری طرف جس کی نسبت بدظنی کی جائے گی وہ کام چھوڑ بیٹھے گا اور اس طرح سلسلہ کا کام خراب ہوگا۔ سو اے عزیزو! اس کو بالکل چھوڑ دو۔ کئی لوگ جو ملنے آتے ہیں ایک دوسرے کے متعلق باتیں سناتے ہیں جن کی بنیاد محض بدظنی پر ہوتی ہے اور جن میں محض قیاس اور خیال سے کام لیا جاتا ہے۔ یہ لوگ ظاہرہ باتوں کی طرف تو توجہ نہیں کرتے۔ دیکھتے ہیں فلاں شخص علی الاعلان نمازوں میں نہیں آتا اس کو کچھ نہیں کہتے۔ دیکھتے ہیں فلاں علی الاعلان عورتوں پر ظلم کرتا ہے اس کو نہیں سمجھاتے۔ اور کئی قسم کے عیب ہیں جو لوگ علی الاعلان کرتے ہیں اور ان کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ مگر بدظنی کرتے ہوئے پوشیدہ سے پوشیدہ عیبوں کو بیان کریں گے۔ یہ ایک سخت کمزوری اور بُرا فعل ہے۔ اس سے بچنا چاہئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝ (الحجرات : ۱۳)

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو بہت سے گمان جو دل میں آتے ہیں ان سے بچو اور زیادہ تجسس نہ کیا کرو۔ واقعات کو دیکھا کرو۔ اور بدظنی کو چھوڑ دو۔ کیا تم پسند کرتے ہو کہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھاؤ؟ پس اس سے الگ رہو۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا رحیم ہے۔

بدظنی کے خطرناک نتائج

بدظنی ایسی خطرناک چیز ہے کہ جو شخص اس کو اختیار کرتا ہے وہ اسی حد تک نہیں رہتا کہ اپنے بھائی پر بدظنی کر کے ٹھہر جائے بلکہ وہ ترقی کرتے کرتے اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ آخر خدا تعالیٰ پر بھی بدظنی کرتا ہے۔ جو شخص اپنے بھائی پر بدظنی کرتا ہے اس کا دوسرا قدم یہ ہوتا ہے کہ وہ باپ پر بھی بدظنی کرتا ہے۔ اور جو باپ پر کرتا ہے وہ رسول پر کرتا ہے اور جو رسول پر کرتا ہے وہ خدا پر کرتا ہے۔

بہت لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب انہیں کہا جائے کہ اپنے بھائی پر بدظنی نہ کرو تو کہتے ہیں کہ وہ ہمارا پیر ہے؟ مگر یاد رکھو جو بھائی پر بدظنی کرتا ہے جب اس کو اس کی عادت ہو جاتی ہے تو اس کا دل اسی پر تسلی نہیں پاتا بلکہ وہ اور آگے بڑھتا ہے اور ہوتے ہوتے امام وقت یا رسول کو اپنا نشانہ بنا لیتا ہے اور پھر اس پر بھی صبر نہیں کرتا۔ خدا تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔ قرآن کریم میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ایسے لوگ مسلمانوں میں موجود تھے جنہوں نے پہلے اپنے بھائیوں پر بدظنی کی اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کرنے لگ گئے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝ (التوبۃ : ۵۸)

اے رسول! جو مال آتا ہے اس کے متعلق کچھ لوگ بدظنیاں کرتے ہیں کہ اتنا مال جو آتا ہے اس میں سے یہ بھی کچھ لیتا ہی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ بدظنی کرنے والوں کا اپنا نفس چونکہ گندہ ہوتا ہے اس لئے وہ دوسرے کے متعلق بھی خیال کر لیتے ہیں کہ اس کا بھی ایسا ہی ہوگا۔

میری فطرت میں بدظنی کا مادہ ہی نہیں

میں محض خدا تعالیٰ کے فضل کے اظہار کے لئے نہ کسی اور وجہ سے کہتا ہوں کہ میری فطرت میں بدظنی کا مادہ رکھا ہی نہیں گیا اور بچپن سے میری طبیعت ایسی بنائی گئی ہے کہ بعض باتوں کو میں نے خود دیکھا لیکن مجھے بتایا گیا کہ تمہیں غلطی لگی ہے تو میں نے کہا ایسا ہی ہوگا۔ اور اس وقت تک میں یہی سمجھتا ہوں کہ مجھے دیکھنے میں غلطی لگی ہوگی اور اصل میں وہ بات اس طرح نہ ہوگی۔ اس طریق نے مجھے بہت فائدہ پہنچایا ہے۔ اور وہ یہ کہ اور لوگوں کے دلوں میں تو قرآن پر اعتراض پیدا ہوتے ہیں مگر مجھے جواب ہی جواب سمجھائے جاتے ہیں اور میری تو یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر کسی آیت کی تشریح کرنے کے لئے اس پر تنقید کرنا ہوتی ہے تو دوسروں سے پوچھتا ہوں کہ اس پر کون کون سے اعتراض پڑتے ہیں؟ یا بڑی کوشش اور محنت سے اعتراض نکالنے پڑتے ہیں۔

تو فرمایا کہ ایسے لوگ ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی بدظنی کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ان کی ذاتی اور نفسانی غرض ہوتی ہے۔ اگر تو ان کو مال میں سے دے دے تو کہتے ہیں بڑا دیانتدار ہے اور اگر نہ دے تو بدظنی کرتے ہیں کہ خود کھا جاتا ہے۔

بدظنی کتنا بُرا عیب ہے؟

بدظنی۔ یہ بہت بڑا عیب ہے اور خطرناک عیب ہے اور ایسا خطرناک عیب ہے کہ اس کے مرتکب کا حملہ آخر خدا تعالیٰ تک جا پہنچتا ہے۔ یہ مت خیال کرو کہ تم جب اپنے کسی بھائی پر بدظنی کرتے ہو تو خلیفہ جسے خدا کا بنایا ہوا سمجھتے ہو اس پر نہیں کرو گے۔ جب ایک قدم اُٹھاتے ہو تو دوسرا قدم اُٹھانا تمہارے لئے آسان ہو جاتا ہے اور جب خلیفہ پر بدظنی کرو گے تو اس سے اگلا قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بدظنی کرنا ہوگا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کرو گے تو اس سے آگے خدا تعالیٰ تک پہنچو گے۔ دیکھو وہ

لوگ جو ہم سے علیحدہ ہو گئے ان میں اپنے بھائیوں پر بدظنی کرنے کی عادت تھی اس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ وہ حضرت صاحبؑ کی نسبت کہہ گزرے کہ آپؑ جماعت کا روپیہ اپنے ذاتی مصارف میں خرچ کر لیتے ہیں۔ حضرت صاحبؑ کو آخری وقت میں یہ بات معلوم بھی ہو گئی اور آپؑ نے مجھے فرمایا کہ یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ لنگر کے لئے جو روپیہ آتا ہے اسے میں اپنے ذاتی مصارف میں خرچ کر لیتا ہوں مگر ان کو معلوم نہیں کہ لوگ جو میرے لئے نذروں کا روپیہ لاتے ہیں میں تو اس میں سے بھی لنگر کے لئے خرچ کرتا ہوں۔ چنانچہ میں آپؑ کے منی آرڈر لایا کرتا تھا اور مجھے خوب معلوم ہے کہ لنگر کا روپیہ بہت تھوڑا آیا کرتا تھا اور اتنا تھوڑا آیا کرتا تھا کہ اس سے خرچ نہ چل سکتا تھا۔

پھر ان لوگوں نے اس بدظنی کا خود اعتراف کیا۔ ایک دفعہ ایک مجلس میں خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنی طرف تو اس بات کو منسوب نہ کیا مگر اس طرح ذکر کیا کہ کہا جاتا تھا کہ مرزا صاحبؑ لنگر کا روپیہ خود خرچ کر لیا کرتے تھے لیکن لنگر کا انتظام جب سے ہمارے پاس آیا ہے مقروض ہی چلا جا رہا ہے۔ اور حضرت صاحبؑ نے مجھے فرمایا تھا کہ اگر میں لنگر کا انتظام ان لوگوں کے سپرد کر دوں تو یہ کبھی اسکے اخراجات کو پورا نہ کر سکیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہؤا اور اب تک اس بدظنی کا خمیازہ بھگتا جا رہا ہے کہ لنگر کا فنڈ ہمیشہ مقروض رہتا ہے۔

پس بدظنی بہت بڑا گناہ ہے اور خطرناک گناہ ہے اس سے بچو۔

جھوٹ ترک کر دو

دوسری بات جو قابل ترک ہے۔ اور اس کی بھی کثرت سے مثالیں ملتی ہیں وہ جھوٹ اور جھوٹی شہادت ہے۔ یہ ایک خطرناک گناہ ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ یہ گناہوں کی کلید ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دفعہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا مجھ میں چار ایسے گناہ ہیں جن کو میں چھوڑ نہیں سکتا ان کے چھوڑنے کا مجھے طریق بتائیے۔ آپؐ نے فرمایا ایک تو چھوڑ دے تین میں چھڑا دوں گا۔ اس نے کہا۔ بہت اچھا۔ آپؐ نے فرمایا جھوٹ چھوڑ دے۔ اس نے کہا اچھا میں جھوٹ چھوڑتا ہوں۔ یہ عہد کر کے وہ چلا گیا۔ جانے کے بعد جب اسے کسی گناہ کے کرنے کا خیال آیا اور وہ یہ سمجھ کر کرنے لگا کہ اس کے چھوڑنے کا تو میں نے وعدہ نہیں کیا تو اسے خیال آیا کہ اگر اس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تو سچ کہنا پڑے گا کیونکہ جھوٹ کے چھوڑنے کا وعدہ کر آیا ہوں۔ پھر میں کیا جواب دوں گا؟ اس طرح وہ ایک دن اس کے کرنے سے رُک گیا دوسرے دن پھر جب اسے گناہ کرنے کا خیال آیا تو اسی طرح رک گیا۔ اور جوں جوں وہ رُکتا جاتا اس کی طبیعت میں مضبوطی آتی جاتی حتیٰ کہ ایک دن وہ رسول کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ ان گناہوں میں سے مَیں نے کوئی بھی نہیں کیا اور سب مجھ سے چھوٹ گئے ہیں۔

تو جب کوئی شخص جھوٹ چھوڑ دیتا ہے پھر سب گناہ اس سے چھوٹ جاتے ہیں۔

لوگ جھوٹ کیوں بولتے ہیں؟

سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ جھوٹ بولتے کیوں ہیں؟ جس آدمی کے متعلق معلوم ہو جائے کہ جھوٹ کا عادی ہے وہ خواہ کوئی بات سنائے اس کی بات پر تسلّی نہیں ہوتی اور نہ اس کو کوئی فائدہ ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی بالعموم لوگ جھوٹ بولتے ہیں اور ایسی ایسی باتوں میں جھوٹ بولتے ہیں جن میں وہ خود بھی سمجھتے ہیں کہ کوئی نفع نہیں ہوگا۔ مثلاً یونہی ایک شخص کہہ دے گا میں فلاں فلاں جگہ گیا یا فلاں فلاں کام کیا۔ حالانکہ ان باتوں کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کو محض عادت ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ ایک خطرناک مرض ہے اور اس کا چھوڑنا بھی مشکل کام ہے اس لئے اس کو چھوڑنے کے لئے خاص کوشش کرنی چاہئے۔

کامیابی جھوٹ نہ بولنے میں ہے

بے شک خالص جھوٹ بہت کم لوگ بولتے ہیں۔ جہاں نقصان کا اندیشہ ہو صرف وہاں ایسا جھوٹ بولتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس طرح ہم نقصان سے بچ جائیں گے اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ مگر یاد رکھنا چاہئے کہ کامیابی جھوٹ کے نہ بولنے میں ہی ہوتی ہے۔

حضرت صاحبؓ کا ہی واقعہ ہے۔ آپؓ نے ایک پیکٹ میں خط ڈال دیا۔ اس کا ڈالنا ڈاکخانہ کے قواعد کی رو سے منع تھا مگر آپ کو اس کا علم نہ تھا۔ ڈاکخانہ والوں نے آپ پر نالش کر دی اور اس کی پیروی کے لئے ایک خاص افسر مقرر کیا کہ آپؓ کو سزا ہو جائے اور اس پر بڑا زور دیا اور کہا کہ ضرور سزا ملنی چاہئے تاکہ دوسرے لوگ ہوشیار ہو جائیں۔ حضرت صاحبؓ کے وکیل نے آپؓ کو کہا کہ بات بالکل آسان ہے آپؓ کا پیکٹ گواہوں کے سامنے تو کھولا نہیں گیا۔ آپؓ کہہ دیں کہ مَیں نے خط الگ بھیجا تھا شرارت اور دشمنی سے کہا جاتا ہے کہ پیکٹ میں ڈالا تھا۔ حضرت صاحبؓ نے فرمایا یہ تو جھوٹ ہوگا۔ وکیل نے کہا اس کے سوا تو آپؓ بچ نہیں سکتے۔ آپؓ نے فرمایا خواہ کچھ ہو مَیں جھوٹ تو نہیں بول سکتا۔ چنانچہ عدالت میں جب آپؓ سے پوچھا گیا کہ آپؓ نے پیکٹ میں خط ڈالا تھا؟ تو آپؓ نے فرمایا۔ ہاں مَیں نے ڈالا تھا مگر مجھے ڈاکخانہ کے اس قاعدہ کا علم نہ تھا۔ اس پر استغاثہ کی طرف سے لمبی چوڑی تقریر کی گئی اور کہا گیا کہ سزا ضرور دینی چاہئے۔ تاکہ دوسرے لوگوں کو عبرت ہو۔ حضرت

صاحب فرماتے ہیں تقریر چونکہ انگریزی میں تھی اس لئے میں اور تو کچھ نہ سمجھتا لیکن جب حاکم تقریر کے متعلق NO ، NO (نو۔ نو) کہتا تو اس لفظ کو سمجھتا۔ آخر جب تقریر ختم ہوئی تو حاکم نے کہہ دیا۔ بری۔ اور کہا کہ جب اس نے اس طرح سچ سچ کہہ دیا تو میں بری ہی کرتا ہوں۔

ہنسی میں جھوٹ

پھر لوگ ہنسی مذاق میں جھوٹ بول لیتے ہیں۔ مگر یہ بھی ناجائز ہے اور یہ بھی جھوٹ ہی ہے اس سے بھی بچنا چاہئے۔

جھوٹی گواہی

پھر جھوٹ کی خاص قسم جھوٹی گواہی ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کا بڑا ہی فضل ہو تو کوئی اس سے بچ سکتا ہے۔ وہ لوگ جو اور باتوں میں جھوٹ نہیں بولتے وہ بھی اس مرحلہ پر آکر رہ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے اس لئے جھوٹی گواہی دے دی کہ فلاں بھائی ناراض نہ ہو جائے۔ مگر اس میں بھی خوب مضبوطی کے ساتھ صداقت پر قائم رہنا چاہئے۔ کئی لوگ ہیں جو اس لئے جھوٹی گواہی دیتے ہیں کہ دوسرے کا منہ رکھیں اور اس کو ناراض نہ ہونے دیں۔ مگر اس سے زیادہ نادان اور بے وقوف کون ہوگا جو دوسرے کا منہ رکھنے کے لئے اپنا منہ کالا کرلے لیکن بہت ہیں جو اس بات کی پرواہ نہیں کرتے۔ تمہیں چاہئے کہ خواہ تمہارے ماں باپ کے خلاف گواہی ہو یا بھائی کے خلاف یا اور کسی عزیز اور رشتہ دار کے خلاف تم کبھی اس کو نہ چھپاؤ اور نہ اس میں جھوٹ ملاؤ بلکہ سچ سچ کہہ دو۔ قرآن کریم میں مؤمن کی یہ علامت بتائی گئی ہے کہ ماں باپ، بہن بھائی جس کے متعلق بھی اسے کوئی گواہی دینی ہو سچی سچی دیتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے جو گواہی کو چھپاتا ہے اس کا دل گنہگار ہو جاتا ہے اور جب دل گنہگار ہو گیا تو سب کچھ خراب ہو گیا۔ یہ بھی بہت بُرا کام ہے اس سے بچنا چاہئے۔ ورنہ اس میں بھی بڑھتے بڑھتے انسان رسول اور خدا تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ جو جھوٹی حدیثیں بنی ہیں وہ ایسے ہی لوگوں نے بنائی ہیں جن کو جھوٹ بولنے کی عادت تھی۔ اور پھر جھوٹ بولنے والے خدا تعالیٰ کے متعلق بھی جھوٹ سے دریغ نہیں کرتے۔ چنانچہ آتا ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (المائدہ: ۱۰۴)

کہ یہ جو نذریں نیازیں سانڈوں وغیرہ کی دی جاتی ہیں یہ خدا نے مقرر نہیں کیں۔ یہ ان لوگوں نے جو کافر ہیں آپ مقرر کر لی ہیں اور خدا تعالیٰ پر جھوٹا افتراء باندھ دیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثر بے وقوف ہیں۔

تو ان لوگوں نے آپ نذریں مقرر کر کے کہہ دیا کہ خدا نے مقرر کیں ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ جھوٹ بولنے والے خدا تعالیٰ پر جھوٹ بولنے سے بھی باز نہیں رہتے۔

پس چونکہ یہ ایسی بات ہے کہ اس میں انسان بڑھتے بڑھتے خدا تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے اس لئے اس کو بالکل چھوڑ دینا چاہئے۔ اور یہ ایسے عیوب میں سے ہے کہ اگر انسان اس سے بچ جائے تو اور سینکڑوں عیوب سے بچ سکتا ہے۔

سخت کلامی اور درشتی سے کام نہ لو

تیسری بات جو قابل ترک ہے وہ سخت کلامی اور درشتی ہے۔ یہ بھی بہت بڑا عیب ہے بہت لوگ ہیں جو اپنے بھائی کے احساسات کا خیال نہیں رکھتے۔ ذرا ذرا سی بات پر گالی دے دیتے ہیں یا سخت کلامی سے پیش آتے ہیں۔ مثلاً بجائے اس کے کہ مجلس میں آکر کہیں جگہ دیجئے۔ یہ کہہ دینگے کہ کس طرح تساں پسار کے بیٹھے ہوئے ہو یعنی پاؤں پھیلا کر کیوں بیٹھے ہو؟ ایسے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ اگر کسی سے کوئی مطالبہ کریں گے تو سختی سے اور اگر کسی کا کچھ دینا ہوگا تو اس سے بھی لڑیں گے۔ ان میں نرمی، محبت اور آشتی نہیں ہوگی۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لڑائی، دنگا اور فساد ایسی ناپسندیدہ باتیں ہیں کہ جہاں یہ ہوتی ہیں وہاں سے خدا تعالیٰ کی برکتیں جاتی رہتیں ہیں۔ اور آپؐ نے ان کی برائی یہاں تک بیان فرمائی ہے کہ ایک دفعہ آپؐ رات کو باہر نکلے اور دیکھا کہ دو آدمی لڑ رہے ہیں۔ آپؐ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا خدا تعالیٰ نے مجھے لیلۃ القدر کی گھڑی بتائی تھی لیکن تمہاری لڑائی دیکھ کر مجھے بھول گئی ہے[عہ] اب غور کرو ان کی لڑائی کس قدر نقصان دہ ثابت ہوئی کہ نسل در نسل اس کا اثر چلے گا۔ پھر فرمایا اچھا رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔ اگر وہ نہ لڑ رہے ہوتے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لیلۃ القدر کے متعلق جو بتایا گیا تھا وہ آپؐ بتا دیتے تو کیسی آسانی ہوتی اور مسلمان اس سے کس قدر فائدہ اُٹھاتے؟ اب ہر ایک کے لئے دس راتوں میں جاگنا مشکل بات ہے۔ دو آدمیوں کے جھگڑے نے کتنا نقصان پہنچایا؟

تم کسی پر درشتی اور سختی نہ کرو بلکہ ہر ایک کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ۔ اس میں دونوں کا فائدہ ہے لیکن اگر ایک درشتی کرتا ہے تو دوسرے کو چاہئے کہ نرمی اختیار کرے۔ اس طرح درشتی کرنے والا خود بخود شرمندہ اور نادم ہوگا اور معافی مانگے گا۔ ورنہ اگر دوسرا بھی درشتی کرے گا اور اس طرح بات بڑھے گی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں کا ایمان جاتا رہے گا اور دونوں کو نقصان اُٹھانا پڑے گا۔

عہ بخاری کتاب الصوم باب رفع معرفۃ لیلۃ القدر لتلاحی الناس

پھر درشت کلامی سے گالیوں پر لوگ اُتر آتے ہیں۔ بعض لوگ نمازیں پڑھیں گے، دوسرے فرائض ادا کریں گے، دین کے کاموں میں حصّہ لیں گے، لیکن گندی سے گندی ماں بہن کی گالیاں بھی دیں گے اور فساد پھیلائیں گے۔ اس طرح اپنے آپ کو تباہ کریں گے اور دوسروں کو اشتعال دلا کر ان کی بھی عاقبت خراب کریں گے۔ تمہیں چاہئے کہ اس تباہ کن فعل سے بچو اور نرمی کی عادت ڈالو تاکہ خدا تعالیٰ بھی تمہارے ساتھ نرمی سے پیش آئے۔ ورنہ اگر تم خدا تعالیٰ کی مخلوق پر درشتی کرتے ہو تو تم بھی اپنے آپ کو اس بات کا حق دار بناتے ہو کہ خدا تعالیٰ تم پر بھی درشتی کرے۔ درشتی اور سختی جوش اور غصّہ کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ مگر تمہارے لئے تو جوش اور غصّہ نکالنے کے لئے کافی جگہ ہے۔ تم اس کو محفوظ رکھو اور ضائع نہ کرو۔ جس کو ایک بڑا سفر درپیش ہوتا ہے وہ اپنی روٹیاں کُتّوں کے آگے نہیں ڈالتا بلکہ ضرورت کے لئے محفوظ رکھتا ہے۔ تمہارے آگے بھی بہت بڑا سفر ہے تمہیں ابھی بہت سی لڑائیاں لڑنی ہیں۔ تمہیں جوش اور طاقت کی ضرورت ہے۔ پس تم اس کو اس وقت کے لئے محفوظ رکھو جب تمہیں کفر سے لڑائی کرنی پڑے۔ ورنہ اگر تم نے یونہی جوش ضائع کر دیا تو یاد رکھو وقت پر کچھ نہ کر سکو گے۔ کیونکہ جس انجن کی بھاپ نکل جاتی ہے وہ گاڑیاں نہیں کھینچ سکتا گاڑیاں وہی انجن کھینچتا ہے جس کے اندر بھاپ بند رہتی ہے۔ پس تم غصہ اور جوش کے دبانے کے عادی بنو تاکہ نہ صرف خود ہی چلو بلکہ اوروں کو بھی کھینچ کر لے جا سکو۔

دیکھو نرمی ایسی ضروری چیز ہے کہ خدا تعالیٰ نبی کو کہتا ہے۔ قُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا (طٰہٰ: ۴۵) فرعون تمہیں گالیاں دے گا۔ تم پر سختی کرے گا۔ مگر تم اس سے نرم نرم باتیں کرنا۔ یہ انہیں اس لئے کہا گیا کہ وہ فرعون کے سامنے بطور نمونہ تھے۔ اگر وہی سختی کرتے اور درشتی سے پیش آتے تو وہ کہتا جس انسان کی اپنی یہ حالت ہے وہ مجھے کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ مگر ان کی نرمی کو دیکھ کر فرعون گھبرا گیا۔ کیونکہ وہ سختی کرتا اور گالیاں دیتا تھا مگر حضرت موسیٰؑ ہنس کر نرمی سے جواب دے دیتے اس سے وہ گھبرا گیا کہ کوئی طاقت اور قوت ہے جس نے اسے سہارا دیا ہوا ہے۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ سختی اور درشتی نے اس پر ذرا بھی اثر نہیں کیا۔

اس سے ظاہر ہے کہ بجائے اس کے کہ سختی کی وجہ سے فرعون کا رُعب حضرت موسیٰؑ پر پڑتا۔ یہ ہوا کہ ان کی نرمی کی وجہ سے فرعون پر ان کا رعب پڑ گیا۔ اکثر لوگ اپنا رُعب داب جمانے کے لئے سختی کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقی رُعب سختی سے نہیں بلکہ نرمی سے پڑتا ہے۔ اس لئے نرمی سے ہی کام لینا چاہئے۔

نشوں سے پرہیز کرو

چوتھی بات نشوں کا ترک کرنا ہے۔ کئی نشیلی چیزیں ہیں جنہیں لوگ استعمال کرتے ہیں اور جن کی وجہ سے قوموں کی قومیں ہلاک ہوگئی ہیں۔ چین کے ملک کی اتنی آبادی ہے کہ اپنی وسعت کے لحاظ سے سب سے زیادہ آباد ہے یعنی چالیس کروڑ اس کی آبادی ہے۔ مگر باوجود اس کے جاپان نے جس کی آبادی صرف اڑھائی کروڑ تھی اسے ایسی خطرناک شکست دی کہ جس کی حد نہیں۔ اور یورپ کی چند ہزار فوج نے چین کا دارالسلطنت فتح کر لیا اس کی کیا وجہ تھی؟ یہی کہ چین کے لوگ افیم کھاتے تھے۔ اور پینک میں پڑے رہنے والوں نے لڑنے والوں کے مقابلہ میں کیا کرنا تھا؟

ایک قصہ ہے۔ نہ معلوم کہاں تک صحیح ہے مگر مشہور ہے۔ کہ ایک افیمی پڑا تھا اسے خیال ہوا کہ کوئی مجھے مارنے لگا ہے۔ اس پر اس نے لٹھ اُٹھا کر اپنے ہی اوپر دے مارا اور کہنے لگا مجھے کوئی شخص مار گیا ہے لیکن میں نے بھی اسے خوب مارا ہے۔

نشہ ایسی بُری چیز ہے کہ نشہ کی عادی قوم کوئی کام نہیں کر سکتی۔ زیادہ نشہ والی چیزیں جسمانی نقصان پہنچاتی ہیں۔ اور جو کم نشہ والی ہوتی ہیں ان سے اگر جسم کو نقصان نہ بھی ہو۔ تو روح کو ضرور ہوتا ہے۔

حُقّہ کی کثرت

ہمارے ملک میں ایک عام نشہ والی چیز حُقّہ ہے۔ یوں تو اس کا نشہ اس طرح نہیں ہوتا جس طرح دوسری نشہ والی چیزوں کا ہوتا ہے۔ مگر اس کی وجہ سے اعصاب بے حس ہو جاتے ہیں۔ امریکہ سے کوئی کم بخت اسے لایا تھا مگر اب یہ تین سو سال کے عرصہ میں اس قدر پھیل گیا ہے کہ قرآن کریم تیرہ سو سال میں اتنا نہیں پھیلا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس میں نشہ ہے۔ حُقّہ پینے والا رمضان میں کہتا ہے کہ میرے پیٹ میں درد پیدا ہو جاتا ہے اگر میں حقہ نہ پیوں اور اس طرح رمضان کی برکات سے محروم ہو کر سخت گناہ گار بنتا ہے۔ لوگ پہلے تو اس لئے شروع کرتے ہیں کہ اس سے قبض کھل جاتی ہے۔ مگر پھر ان کی ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ پاخانہ میں بیٹھ کر تین تین دفعہ چلمیں بھرواتے ہیں۔ ایک شاعر کے متعلق لکھا ہے کہ وہ پاخانہ میں بیٹھ کر حُقّہ کی نال اپنے منہ میں لے لیتا اور کئی کئی چلمیں پی جاتا۔ بظاہر حُقّہ پینے والا سمجھتا ہے کہ اس سے طاقت آتی ہے مگر کیا جو لوگ حُقّہ نہیں پیتے وہ پینے والوں سے کمزور ہوتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ہر حُقّہ پینے والا شخص پچھلی عمر میں کھانستا ہی رہے گا اور حُقّہ پینے والوں کو ہمیشہ کھانسی کا عارضہ لاحق رہے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو چیز جسم کو سُن کر دیتی ہے وہ آخر میں اعصاب کو ڈھیلا

اور کمزور کر دیتی ہے اور طاقت زوال کی طرف آجاتی ہے۔ حُقّہ صحت کے لئے سخت مضر ہے۔ لوگوں نے پہلے یورپ والوں کو تمباکو استعمال کرتے دیکھا اور پھر حقہ کے رنگ میں اس کی ایجاد کر لی۔ اور یہ اس قدر پھیل گیا ہے کہ حضرت خلیفہ اوّل فرماتے کہ مکّہ کی کوئی شادی ایسی نہیں ہوتی جس میں ہر ایک کے لئے ایک حُقّہ نہ رکھا جاتا ہو۔ پھر ہمارے ملک میں بھی پھیلا ہؤا ہے اور کئی رنگ میں پھیلا ہؤا ہے۔

ایک سفر میں ایک پٹھان ہمارے ساتھ تھا۔ ایک جگہ اس کی نسوار کی ڈبی گر گئی۔ وہ ایسا پریشان ہؤا کہ راستہ میں جو شخص ملتا۔ بڑی لجاجت سے اس سے پوچھتا کہ تمہارے پاس نسوار ہے؟ حالانکہ پٹھان اور لجاجت کیا؟ مگر وہ ایسا گھبرایا ہؤا پھرتا کہ اگر کوئی اسے مار بھی لیتا اور نسوار دے دیتا تو شاید وہ اسے یہی کہتا کہ مَیں تمہارا غلام ہوں۔ پھر ایک سخت گندے شہر میں پہنچ کر جب اس کو نسوار مل گئی تو کہنے لگا اس شہر کو گندہ کیوں کہا جاتا ہے؟ اس سے تو مجھے نسوار مل گئی ہے اس کے نام کے ساتھ تو شریف کا لفظ لگانا چاہئے۔

اس کے نشہ کی عادت ایسی خطرناک ہوتی ہے کہ بعض دفعہ لوگ اس کی ایسی عادت ڈال لیتے ہیں کہ اس کا چھوڑنا طبی طور پر بھی خطرناک ہو جاتا ہے اور بڑی احتیاط چاہتا ہے۔ ایک دوست نے جب نسوار چھوڑی تو اس کے حلق میں زخم ہو گیا۔ پھر یہ اس لئے بھی بری ہے کہ انسان ہو کر ایسی بے جان چیزوں کی غلامی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ ایک انسان درختوں کے پتّے کھا کر پیٹ بھر سکتا ہے مگر نشوں کے بغیر نہیں رہ سکتا اور ان کی بدترین غلامی اختیار کرنی پڑتی ہے۔

یہاں ایک ایسا گندہ اسلام کا دشمن تھا جو فخریہ کہا کرتا تھا کہ میں بچپن میں ہی سمجھا کرتا تھا کہ کبھی جھکنا کبھی سر ٹیکنا یعنی نماز پڑھنا ایک فضول بات ہے اور اب تو میں دانا اور عقلمند ہوں اور ان حرکات کی لغویت کو خوب اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ اس کے پاس کئی لوگ حُقّہ پینے کے لئے جا بیٹھتے۔ وہ حضرت مسیح موعودؑ کو بُرا بھلا کہتا رہتا اور وہ سر جھکائے سُنتے رہتے۔ اس سے بدترین غلامی اور کیا ہو گی۔

نشہ والے دوسروں کو نشہ میں کیوں شریک کرتے ہیں؟

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ نشے والے دوسروں کو بھی اس چیز میں شریک کرنا چاہتے ہیں جو خود استعمال کرتے ہیں۔ ایک معزز دوست کے ہاں ایک دفعہ ان کے ایک بھائی صاحب ملنے کے لئے آئے۔ ایک کمرہ میں ان کا بچہ اور چند اور احمدی بیٹھے

تھے۔ ان صاحب نے افیون کی ڈبیہ نکالی اور سب کے آگے پھرائی۔ جب کسی نے بھی اس میں سے کچھ نہ لیا تو اس نے بڑے افسوس سے کہا کیا کوئی بھی نہیں کھاتا؟

اس قسم کی باتوں کو دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ نشے کے عادی دوسروں کو کیوں وہی چیز کھلانے کی کوشش کرتے ہیں؟ اس کی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ وہ سب کو نشہ لگانا چاہتے ہیں کہ سب جگہ اس نشہ والے موجود ہوں اور جہاں وہ جائیں انہیں وہ نشہ والی چیز میسر آسکے۔ گویا وہ اپنے فائدہ کے لئے ساری دُنیا کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔

حُقّہ پینا چھوڑ دو

مَیں آپ لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم میں سے جو لوگ حُقّہ پینے کی عادت رکھتے ہیں وہ چھوڑ دیں۔ اور اگر خود نہ چھوڑ سکیں تو اپنے بچوں میں اس عادت کو نہ جانے دیں۔ اوّل تو ہم یہی چاہتے ہیں کہ حقہ کی عمر ان کی عمر سے چھوٹی ہو یعنی وہ اپنی زندگی میں ہی حقہ کا خاتمہ کر دیں۔ لیکن اگر انہیں اتنا ہی عزیز ہے کہ جیتے جی نہیں چھوڑنا چاہتے تو اپنی عمر کے ساتھ ہی اس کا بھی خاتمہ کریں اور اپنے پیچھے اپنے بچوں میں اسے نہ چھوڑیں۔ لوگ اوّل اوّل تو تھوڑی سی تکلیف سے بچنے کے لئے بچے کو کہتے حقہ سلگا دو۔ مگر چونکہ یہ نشہ ہے اس کو بھی لگ جاتا ہے اور وہ بھی اس کا عادی ہو جاتا ہے۔ تمہیں چاہئے کہ اپنے بچوں تک اس بُری عادت کو ہرگز نہ جانے دو۔ یہ ایک لعنت ہے اور ایسی لعنت ہے کہ روٹی کے لئے نہیں مگر اس کے لئے گندی سے گندی اور ذلیل سے ذلیل مجلس میں جانا پڑتا ہے۔ اوّل تو میں یہی کہوں گا کہ ہر ایک اسے چھوڑ دے ورنہ جن کی عمر تیس سال تک کی ہے وہ تو ضرور چھوڑ دیں۔ اور جن کی عمر تیس اور چالیس کے درمیان ہے وہ بھی چھوڑنے کی کوشش کریں۔ اور جو اس سے بڑی عمر کے ہیں وہ اگر نہ چھوڑ سکیں تو اپنی اولاد کو ضرور یہ کہیں کہ

من نہ کردم شما حذر بکنید

احمدی لڑکیوں کے رشتوں سے متعلق ہدایت

پانچویں بات جو اس زمانہ میں ہماری جماعت کے لئے نہایت ضروری ہے وہ غیر احمدی کو رشتہ نہ دینا ہے۔ جو شخص غیر احمدی کو رشتہ دیتا ہے وہ یقیناً حضرت مسیح موعودؑ کو نہیں سمجھتا۔ اور نہ یہ جانتا ہے کہ احمدیت کیا چیز ہے؟ کیا کوئی غیر احمدیوں میں ایسا بے دین ہے جو کسی ہندو یا کسی عیسائی کو اپنی لڑکی دے دے۔ ان لوگوں کو تم کافر کہتے ہو مگر اس معاملہ میں وہ تم سے اچھے رہے کہ کافر ہو کر بھی کسی کافر کو لڑکی نہیں دیتے مگر تم احمدی کہلا کر کافر کو دے دیتے ہو۔ کیا اس لئے دیتے ہو کہ وہ تمہاری

قوم کا ہوتا ہے؟ مگر جس دن سے کہ تم احمدی ہوئے تمہاری قوم تو احمدیت ہو گئی۔ شناخت اور امتیاز کے لئے اگر کوئی پوچھے تو اپنی ذات یا قوم بتا سکتے ہو۔ ورنہ اب تو تمہاری قوم تمہاری گوت تمہاری ذات احمدی ہی ہے۔ پھر احمدیوں کو چھوڑ کر غیر احمدیوں میں کیوں قوم تلاش کرتے ہو۔ مؤمن کا تو یہ کام ہوتا ہے کہ جب حق آجائے تو باطل کو چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے متعلق میں ایک مثال سناتا ہوں۔

حضرت عمرؓ کو شعروں کا بہت شوق تھا۔ طبائع کو بعض امور سے کچھ مناسبت ہوتی ہے میری طبیعت کو بھی اشعار سے مناسبت ہے۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ایک علاقہ کے گورنر کو لکھا کہ اس علاقہ کے بڑے بڑے شاعروں کے کلام بھجواؤ۔ اس علاقہ میں دو بڑے شاعر تھے۔ ایک کا نام لبید تھا یہ عرب کے بہت بڑے شاعر تھے اور بڑھاپے کی آخر عمر میں اسلام لائے اور اسلام میں بھی بہت لمبی عمر پائی۔ اور دوسرا ایک اور شاعر تھا۔ گورنر نے ان کو بلا کر کہا کہ قصیدے بنا کر دو کچھ دنوں کے بعد ایک نے تو بنا کر دے دیا مگر لبید جو بہت اعلیٰ درجہ کے شاعر تھے جب ان کو کہا گیا کہ قصیدہ سناؤ تو انہوں نے اس طرح پڑھنا شروع کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (البقرۃ: ۱تا۴)

گورنر نے کہا یہ تو قرآن ہے۔ شعر سناؤ انہوں نے پھر یہی آیات پڑھیں۔ تیسری بار پھر کہا تو بھی یہی پڑھا اور کہا جب سے یہ کلام آیا ہے۔ میں شعر کہنا بھول گیا ہوں (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ جلد ۳ صفحہ ۳۲۶ مطبوعہ ۱۳۲۸ھ بیروت) وہ اپنے زمانہ میں سب سے بڑے شاعر تھے مگر انہوں نے کہہ دیا کہ جب سے قرآن سنا ہے شعر کہنا چھوڑ دیا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس زمانہ میں شعر فخر و مباہات کے لئے کہے جاتے تھے دین کے لئے بہت کم کہے جاتے تھے اس لئے انہوں نے چھوڑ دیئے۔

جس طرح وہاں قرآن کریم کے آنے پر شعر کہنے چھوڑ دیئے گئے تھے اسی طرح اب حضرت صاحبؑ کے آنے پر سب پہلے رشتے چھوڑ دو اور اسی کو اپنا رشتہ دار سمجھو جو حضرت صاحبؑ کے ذریعہ تمہارا بھائی بنا ہے۔

حضرت صاحبؑ نے بہت صاف اور واضح طور پر فرمایا ہے کہ غیر احمدیوں کو لڑکی دینا گناہ ہے ہاں لینا جائز ہے۔ پس جب حضرت صاحبؑ لڑکی دینے کو گناہ قرار دیتے ہیں تو پھر تم کس طرح دیتے ہو؟ مگر ایسے ہیں جو دیتے ہیں اور عجیب عجیب عذر پیش کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے وعدہ کیا ہوا

تھا اسے پورا کرنا ضروری تھا۔ لیکن میں کہتا ہوں کیا اگر کسی نے مندر کے بُت کے آگے سجدہ کرنے کا وعدہ کیا ہُوا ہو تو اس کے لئے پورا کرنا ضروری ہوگا ؟ اگر نہیں تو پھر تمہارے اس وعدہ کے پورا کرنے کا کیا مطلب ؟ بہت لوگ ان وعدوں کو تو پورا نہیں کرتے جو خدا تعالیٰ سے انہوں نے کئے ہوئے ہیں اور فرائض کو بڑی دلیری سے توڑتے ہیں مگر وہ بات جسے ان کا دل چاہے اس کے لئے وعدہ کا عذر گھڑ لیتے ہیں۔ میں نے کئی دفعہ سنایا ہے ایک لڑکا ریوڑیاں کھا رہا تھا اور بڑی حرص سے کھا رہا تھا مَیں نے اس کو کہا اس طرح کیوں کھاتے ہو ؟ اس نے کہا مجھے ریوڑیاں بہت پسند ہیں کیونکہ حضرت صاحبؑ بھی کھایا کرتے تھے۔ مَیں نے کہا حضرت صاحبؑ تو کونین بھی کھایا کرتے تھے کیا تم بھی کھاتے ہو ؟ اس کا اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ تو اکثر لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جس بات کے کرنے کو ان کا نفس چاہتا ہے۔ اس کے کئی بہانے گھڑ لیتے ہیں اور جس کو نہ چاہے وہ خواہ کیسی ضروری بات ہو اس کو نہیں کرتے۔ تمہیں غیر احمدیوں کو لڑکی دینے کے معاملہ میں اپنے نفس کی ہرگز اطاعت نہ کرنی چاہئے بلکہ ہر حال میں حضرت صاحبؑ کے حکم کو ماننا چاہیئے۔

غیر احمدی کا جنازہ

چھٹی بات غیر احمدیوں کے جنازے پڑھنا ہے۔ ایسے لوگ ہیں جو جنازے پڑھتے ہیں یہ ایک خطرناک غلطی ہے۔ مَیں کہتا ہوں اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ تمہارے جنازہ پڑھنے سے مُردہ بخشا جائے گا تو تمہیں معذور سمجھا جا سکتا ہے۔ لیکن کیا تم خیال کرتے ہو کہ تمہارے جنازہ پڑھنے سے وہ غیر احمدی بخشا جاتا ہے؟ یا تم اس بات کے ذمہ دار ہو کہ وہ جہنّم سے بچ جائے اگر نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ تم کسی غیر احمدی کا جنازہ پڑھتے ہو ؟ کیا یہی نہیں کہ تم رشتہ داروں یا تعلق والوں کا منہ رکھتے ہو اور کہتے ہو اگر جنازہ نہ پڑھا تو ان کو کیا منہ دکھائیں گے ؟ حالانکہ وہی منہ دکھانا قابل عزت و فخر ہو سکتا ہے جو بے عیب ہو۔ مگر جو کافر کا جنازہ پڑھتا ہے۔ اور خدا کے نبی کو گالیاں دینے اور جھٹلانے والے کا جنازہ پڑھتا ہے اس کا منہ تو چھپانے کے قابل ہے نہ کہ دکھانے کے قابل۔ تم منہ دکھانے کے قابل اسی وقت ہو سکتے ہو جب خدا کے دین کی محبت تمہارے اندر ہو۔ اگر تمہاری ایسی حالت ہو اور میناروں پر چڑھ کر بھی اپنے منہ دکھاؤ تو بھی جائز ہے۔ مگر جب تم خدا کا کوئی حکم توڑتے ہو تو تمہیں غاروں میں گھس کر چھپنا چاہئے۔ کیونکہ تم علی الاعلان سینکڑوں آدمیوں میں جا کر عملی طور پر کہتے ہو کہ مرزا صاحبؑ کے متعلق جو عقیدہ ہے وہ غلط ہے۔ پس اس فعل سے بچو۔

یہ تو ترکِ شر کی باتیں تھیں جو مَیں نے بیان کی ہیں۔ اب دوسرا حصّہ لیتا ہوں جو اعمالِ خیر

کرنے کے متعلق ہے۔

نماز باجماعت پڑھو

اوّل حکم نماز کا ہے۔ یہ اسلام کا بھی پہلا حکم ہے اور مَیں نے بھی اس کو پہلے ہی رکھا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو عملی باتوں کی جان قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے جس کی نماز نہیں اس کا دین نہیں۔ مگر میں افسوس سے کہوں گا کہ آپ میں سے بہت لوگ ہیں جو اس کی طرف پوری پوری توجہ نہیں کرتے ہیں۔ ایسے لوگ تو احمدیوں میں بہت ہی کم ہوں گے جو بالکل نماز پڑھتے ہی نہ ہوں۔ مگر ایسے ہیں جو گنڈے دار نماز پڑھتے ہیں۔ ایک آدھ نماز پڑھ لیں گے باقی نہیں پڑھیں گے۔ یا شیعوں کی طرح جمع کر کے نمازیں پڑھ لیں گے۔ پھر ایسے ہیں جو گھر میں نماز پڑھ لیتے ہیں اور کہتے ہیں نماز ہو گئی۔ لیکن کیا آپ لوگوں میں سے جو لوگ دفتروں میں ملازم ہیں وہ اس طرح کر سکتے ہیں کہ دفتر نہ جائیں؟ اور گھر میں ہی رجسٹر لے کر بیٹھ رہیں کہ کام ہی کرنا ہے وہ گھر میں کر لیا ہے۔ اگر اس طرح کوئی کرے تو اس کی ملازمت قائم نہ رہے گی۔ مَیں پوچھتا ہوں اگر دفتر کا کام گھر میں بیٹھ کر کرنے سے منظور نہیں کیا جاتا تو نماز گھر میں پڑھ لینے سے کیونکر منظور ہو سکتی ہے؟ نماز تو باجماعت ہی ہو گی۔ بے شک مجبوریوں کو مدِنظر رکھ کر گھر میں نماز پڑھ لینے کو جائز کر دیا گیا ہے اور اس حالت میں الگ بھی نماز پڑھ لی جا سکتی ہے۔ مثلاً اگر دفتر میں کام کرتے ہوئے نماز کا وقت آ جائے تو بے شک وہاں پڑھ لو۔ مگر جہاں کوئی مجبوری نہیں اس حالت کے متعلق میرا یہی عقیدہ ہے کہ نماز نہیں ہوتی۔ مَیں چار سال سے نماز باجماعت پڑھنے کے لئے کہہ رہا ہوں اور اب بھی کہتا ہوں۔ اور مَیں نہیں سمجھتا کہ یہ بات جو پورے وثوق اور پورے یقین کے ساتھ مَیں سمجھتا ہوں اس کے متعلق مرتے دم تک بھی میرا خیال بدلے۔ سچی اور پکی بات یہ ہے کہ جو شخص مسجد میں جا سکتا ہے مگر نہیں جاتا اور گھر میں نماز پڑھ لیتا ہے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ وہ قیامت کے دن جا کر دیکھے گا کہ کوئی نماز اسے نہیں ملے گی اور کوئی ملے گی۔ وہ حیران ہو کر کہے گا کہ میری باقی نمازیں کہاں گئیں؟ مگر اسے کہا جائے گا کہ باقی نمازیں تم نے پڑھیں کب تھیں؟ تو ایسے لوگ اس وقت حیران ہوں گے۔ مگر میں انہیں اب بتاتا ہوں کہ ان کی وہ نمازیں جو بغیر کسی عذر کے وہ جماعت کے ساتھ نہیں پڑھتے بلکہ گھروں میں پڑھتے ہیں نہیں ہوتیں اور اس وقت ان کا کوئی عذر نہیں سنا جائے گا اور نہ قبول کیا جائے گا خدا کے حضور ان کی نمازیں نہیں لکھی جاتیں۔ صرف انہی کی لکھی جاتی ہیں جو باجماعت نماز پڑھتے ہیں سوائے اس کے کہ مجبور ہوں مسجد میں نہ جا سکتے ہوں۔ مثلاً کوئی بیمار ہو یا کہیں ملازم ہو۔

ملازم کو یہ دیکھ لینا چاہئے کہ اگر اسے کوئی ایسی ملازمت مل سکتی ہے جس میں باجماعت نماز پڑھنے کا موقع ہے تو اسے ترجیح دینی چاہئے۔ بعض دفعہ ملازموں کو ان کے افسر نماز نہیں پڑھنے دیتے ایک افسر تھا وہ ایک احمدی کو نماز نہیں پڑھنے دیتا تھا۔ اس نے ملازمت چھوڑ دی اور دوسری جگہ کر لی۔ دوسری جگہ اسے ایسا انگریز افسر ملا جس نے خود مُصلّٰی لاکر دیا اور کہا اس پر میرے سامنے نماز پڑھا کرو۔ تو جو شخص خدا تعالیٰ کے لئے کوئی کام کرتا ہے خدا تعالیٰ خود اس کا انتظام کر دیتا ہے۔

یہ تو مجبوری کی حالت کے متعلق ہے۔ مگر ایسے لوگ ہیں جو بغیر کسی مجبوری کے سُستی اور کاہلی سے مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کے لئے نہیں آتے۔ ان کی نہ نمازیں ہوتی ہیں اور نہ انہیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔ بتاؤ اس شخص کی نسبت تم کیا کہو گے؟ جس کے مکان کی ایک دیوار گری ہوئی ہو اور وہ کہے کہ رات کو کوئی میرا اسباب لے جاتا ہے کچھ پتہ نہیں لگتا کہ کیونکر لے جاتا ہے؟ اسی طرح اس شخص کی حالت ہے جو نماز تو باجماعت نہیں پڑھتا اور کہتا ہے کہ مجھے تقویٰ و طہارت حاصل نہیں ہوتی۔ مجھ پر حقائق اور معارف نہیں کھُلتے۔ تم لوگ اپنے وقت کا حرج کر کے اور ایک حد تک نقصان بھی برداشت کر کے باجماعت نمازیں پڑھو۔ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگ مسجد سے بہت دُور ہوں جیسا کہ لاہور کے رہنے والے ہیں کہ کوئی شہر کے کسی حصہ میں رہتا ہے اور کوئی کسی حصہ میں۔ مگر میں کہتا ہوں کیوں قریب قریب کے دس پندرہ آدمی مل کر ایک جگہ معین نہیں کر لیتے کہ وہاں جمع ہو کر نماز پڑھ لیا کریں؟ کوئی اس بات کے لئے مجبور نہیں کرتا کہ سارے کے سارے ایک جگہ جمع ہو کر نماز پڑھیں۔ سو سو گز کا حلقہ بنا لیا جائے اور اس حلقہ میں رہنے والے ایک جگہ جمع ہو کر نماز پڑھ لیا کریں۔ یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔

نماز کا ترجمہ سیکھو

پھر نماز کا ترجمہ سیکھو اور سمجھ کر پڑھو تاکہ نفع حاصل ہو۔ یہ کوئی مشکل امر نہیں بلکہ بالکل آسان ہے۔ وہ لوگ جو نماز کا ترجمہ نہیں سیکھتے کیا انہیں خیال نہیں آتا کہ اگر کوئی شخص کسی جگہ کا راستہ پوچھے اور اسے انگریزی میں بتا دیا جائے حالانکہ وہ انگریزی کا ایک لفظ بھی نہ سمجھتا ہو تو وہ منزل مقصود تک پہنچ جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح وہ شخص جس کے لئے موقع ہے کہ نماز کا ترجمہ اور معنی پڑھے۔ مگر وہ نہیں پڑھتا۔ وہ بھی نماز کے ذریعہ اس جگہ نہیں پہنچ سکتا جہاں نماز پہنچاتی ہے۔

پس تم نماز باجماعت پڑھو اور پانچوں وقت پڑھو سوائے اس وقت کے جو دفتر میں آجائے یا

جہاں جماعت کا انتظام نہ ہو سکتا ہو۔ اور سمجھ کر پڑھو تاکہ اس کا تمہیں فائدہ ہو۔ دفتر کا عذر بھی ظہر اور عصر کی نماز کے متعلق ہو سکتا ہے باقی نمازوں کے لئے نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر تم ان اوقات میں باجماعت نماز پڑھو گے تو خدا تعالیٰ ایسا تغیر کر دے گا کہ تمہارے افسر مسلمان ہو جائیں گے اور وہ تمہارے ساتھ نماز پڑھا کریں گے۔ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ وہ اوقات جن میں تم باجماعت نماز پڑھ سکتے ہو ان میں بھی نہ پڑھو۔ اگر تم ان اوقات میں بھی نماز باجماعت نہیں پڑھتے تو دوسرے اوقات کے لئے خدا تعالیٰ کو کس طرح غیرت آئے کہ تمہارے لئے کوئی سامان کر دے؟

روزے رکھو

دوسرا عمل جو اصلاح نفس سے تعلق رکھتا ہے۔ روزہ ہے۔ روزہ بھی انسان کے نفس کو اس طرح پاک کرتا ہے جس طرح نماز پاک کرتی ہے اور یہ چٹیاں نہیں ہیں۔ جس طرح عیسائی کہتے ہیں کہ شریعت لعنت ہے۔ اس کی مثال تو ایسی ہی ہو گی کہ کسی شخص کو نمونیا ہو ڈاکٹر اسے کہے فلاں نسخہ استعمال کرو مگر وہ روئے اور چلائے کہ نسخہ تو لعنت ہے اسے میں کیوں استعمال کروں؟ کیا اس کے لئے نسخہ لعنت ہو گا یا رحمت؟ کوئی شخص بھی اسے لعنت نہیں کہے گا۔ اسی طرح شریعت لعنت نہیں بلکہ رحمت ہے۔ چنانچہ نماز کے لئے خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے۔ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (العنکبوت : ۴۶) کہ نماز چونکہ بدیوں سے روکتی ہے۔ اس لئے ہم اس کا حکم دیتے ہیں۔ اسی طرح روزہ کے متعلق فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (البقرۃ : ۱۸۴)

کہ روزہ کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ تم متقی ہو جاؤ۔ تو روزہ کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ اس کے ذریعہ تم گناہوں سے بچ جاؤ گے۔

پس روزہ چٹی نہیں بلکہ متقی بننے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ مگر بہت لوگ ہیں جو اسے چٹی خیال کرتے ہیں۔ انگریزی تعلیم یافتہ بالعموم ایسا سمجھتے ہیں اور ان میں روزہ کا بہت کم رواج ہے۔ اسی طرح میں دیکھتا ہوں کہ جو زمیندار طبقہ کے لوگ ہیں وہ بھی روزہ کی طرف کم توجہ کرتے ہیں اور اسی تلاش میں رہتے ہیں کہ روزے سے بچنے کا فتویٰ مل جائے۔ اور اسی طرح جس طرح حضرت صاحبؑ کے پاس بعض لوگ یہ کوشش کیا کرتے تھے کہ سود کی اجازت مل جائے اور اس کے لئے عجیب عجیب عذرات پیش کیا کرتے۔ حتیٰ کہ ایک شخص نے کہا کہ اگر روپیہ بنک میں نہ رکھیں تو گھر میں چوری ہونے کا خطرہ ہوتا ہے اور بنک میں رکھیں تو سود ملتا ہے اگر سود نہ لیں تو عیسائیت کی تبلیغ میں خرچ کیا

جاتا ہے کیا اس کو بھی نہ لیں ؟ آپؑ نے فرمایا تم خود نہ لو بلکہ اشاعتِ اسلام کے لئے دے دو۔ ایک شخص نے حضرت صاحبؑ کی وفات پر کہا۔ واہ مرزیا ! مرگیئوں پر سود جائز نا ای کیتا۔ تو شریعت نے جو حکم دیا ہے اسے کوئی بدل کس طرح سکتا ہے ؟ اگر کوئی شریعت کے خلاف فتوٰی دے بھی دے تو بھی شریعت کا حکم نہیں چھوڑا جا سکتا۔ پس میں روزہ کے متعلق خاص طور پر نصیحت کرتا ہوں اس کی قدر کرو اور اس پر عمل کرو۔

علم حاصل کرو

تیسری بات علم کا سیکھنا ہے۔ مؤمن کبھی جاہل نہیں ہو سکتا۔ ا۔ ب۔ ت پڑھا ہؤا نہ ہو تو ہو۔ مگر علم سے جاہل نہیں ہو سکتا۔ کیا حضرت صاحبؑ کتابی علم اس زمانہ کے مولویوں سے زیادہ جانتے تھے ؟ مولوی تو ان کے متعلق یہی کہتے تھے کہ منشی ہے لکھنا جانتا ہے۔ علم اس کے پاس کہاں ہے ؟ مگر کیا یہ درست نہیں کہ آپؑ نے ہر علمی مقابلہ میں ان علم جاننے والوں کو شکست دی ؟ پھر یہی نمونہ حضرت مولوی صاحب کے زمانہ میں تھا اور پھر اب بھی یہی ہے۔ مَیں نے کوئی امتحان پاس نہیں کیا ہر دفعہ فیل ہی ہوتا رہا ہوں۔ مگر اب مَیں خدا کے فضل سے کہتا ہوں کہ کسی علم کا مدعی آجائے اور ایسے علم کا مدعی آجائے جس کا مَیں نے نام بھی نہ سُنا ہو اور اپنی باتیں میرے سامنے مقابلہ کے طور پیش کرے اور مَیں اسے لاجواب نہ کر دوں تو جو اس کا جی چاہے کہے۔ ضرورت کے وقت ہر علم خدا مجھے سکھاتا ہے اور کوئی شخص نہیں ہے جو مقابلہ میں ٹھہر سکے۔ ابھی سورۃ الناس کی تفسیر جو مَیں نے سنائی ہے۔ یہ الہام ہی کے ذریعہ مجھے بتائی گئی ہے۔ حضرت صاحبؑ نے لکھا ہے کہ اس میں گورنمنٹ کی وفاداری کی تعلیم دی گئی ہے۔ مَیں نے بہت غور کیا مگر یہ بات میری سمجھ میں نہ آتی تھی کہ کس طرح اس میں گورنمنٹ کی وفاداری کی تعلیم دی گئی ہے ؟ لیکن اسی جگہ جب مَیں نے جمعہ کی نماز پڑھائی تو سجدہ میں جاتے ہوئے ایک سیکنڈ میں ساری تفسیر اس طرح میرے قلب میں ملا دی گئی جس طرح شکر دودھ میں ملا دی جاتی ہے اور جو کچھ مَیں نے بیان کیا ہے یہ اس میں سے بہت مختصر طور پر بیان کیا ہے۔ ورنہ دُنیا کے سارے موجودہ مفاسد کے متعلق اس کی نہایت لطیف تفسیر بیان کی جا سکتی ہے۔

پس تم دین کا علم حاصل کرو۔ بے شک دُنیا کا علم بھی ضروری ہے مگر دین کا اس کے ساتھ ضرور ہو۔ اب جو لوگ دُنیا کا علم حاصل کر لیتے ہیں وہ اپنا حق سمجھ لیتے ہیں کہ مذہبی مسائل پر بھی بولیں لیکن یہ غلط بات ہے۔ تم ظاہری علوم بھی پڑھو مگر ان کے ساتھ دین کا علم بھی ضرور سیکھو اور اس قدر سیکھو کہ خدا کی طرف سے باتیں سمجھنے کی اہلیت تم میں پیدا ہو جائے۔

جیسا کہ مَیں ابھی کہہ آیا ہوں۔ مؤمن جاہل نہیں ہو سکتا۔ مگر جاہل نہ ہونے سے میری یہ مراد نہیں کہ خط پڑھ سکتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی خط نہ پڑھ سکتے تھے مگر ان سے بڑا عالم کون تھا؟ یا کون ہوگا؟ ساری دُنیا کے عالم آپؐ کی جوتیاں اُٹھا کر رکھنے کے بھی قابل نہ تھے۔ تم بے شک ظاہری علوم پڑھو مگر دین کا علم ضرور حاصل کرو اور اپنے اندر دین کی باتیں سمجھنے اور اخذ کرنے کا ملکہ پیدا کرو۔

اس کے لئے ایک تو قرآنِ کریم سیکھو اور دوسرے حضرت صاحبؑ کی کتابیں پڑھو۔ اور خوب یاد رکھو کہ حضرت صاحبؑ کی کتابیں قرآن کی تفسیر ہیں۔ کل میں ان کے متعلق ایک خاص نکتہ بتاؤں گا آج صرف اتنا ہی کہتا ہوں کہ وہ قرآن کی تفسیر ہیں ان کو پڑھو۔

خدا کی محبت دل میں پیدا کرو

چوتھی نصیحت مَیں آپ لوگوں کو یہ کرنی چاہتا ہوں کہ خدا اور اس کی محبت کے مقابلہ میں باقی سب کچھ ہیچ ہے۔ آپ لوگ کہیں گے ہم مسلمان ہیں پھر خدا تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کیوں نہ ہوگی۔ مگر بہت لوگ ہوتے ہیں جن میں حقیقی محبت بہت کم ہوتی ہے۔ ان کا اعتقاد خدا تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عقلی یا رسمی ہوتا ہے۔ مگر احمدیوں کا ایسا اعتقاد نہیں ہونا چاہئے۔ تمہارا خدا تعالیٰ سے محبت کا وہ تعلق ہونا چاہئے جو ماں کو بچہ سے ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کو بھی عقلی کہا جا سکتا ہے مگر یہ عقلی سے اوپر کا درجہ رکھتا ہے۔

پس تمہیں اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا محبت کا تعلق ہو کہ جب ان کے خلاف کوئی بات سنو تو یہ نہ ہو کہ عقلی اور رسمی لحاظ سے تمہارے اندر جوش پیدا ہو۔ بلکہ اس طرح جوش اور محبت پیدا ہو جس طرح تمہارے ماں باپ کو جب کوئی نقصان پہنچانا چاہتا ہے تو اس وقت ان کی محبت تمہارے دل میں جوش مارتی ہے۔ یہ تو ضروری بات ہے کہ جس کا باپ مارا جائے گا اس کو نقصان پہنچے گا۔ مگر کوئی شخص اس نقصان کی وجہ سے اپنے باپ کے دشمن سے نہیں لڑتا بلکہ اس سے لڑتا ہے کہ وہ اس کا باپ ہے۔ پس تم ان اعتراضات کا جو خدا تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعودؑ پر کئے جائیں اس لئے دفاع نہ کرو کہ تمہیں ان سے عقلی یا رسمی لحاظ سے تعلق ہے۔ بلکہ اس لئے کرو کہ تمہیں ان سے الفت اور محبت ہے اور ان کی محبت تمہارے رُوآں رُوآں میں رچی ہوئی ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم لوگوں کو گالیاں دیتے پھرو یا ان سے لڑنا شروع کر دو۔ مَیں تمہیں پہلے بتا چکا ہوں کہ کسی سے درشتی نہ کرو۔ ہاں میں یہ کہوں گا کہ جب تم خدا یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

یا مسیح موعودؑ کے خلاف کوئی بات سنو تو تمہارے سر سے لے کر پاؤں تک ایک شعلہ نکل جائے۔ اور تم جواب دینے کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ تمہارا تعلق ایسا ہونا چاہئے کہ جس وقت کوئی شخص خدا تعالیٰ یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا مسیح موعودؑ یا وہ لوگ جو تمہارے لئے واجب الادب ہیں ان کے خلاف کوئی بات سنو تو اس وقت تمہارے جسم میں غیرت اور نفرت کی لہر چلنی چاہئے اور تمہارا جسم کانپ اٹھنا چاہئے۔ پھر جب تم اس لہر اور جوش کو دباؤ گے اور روکے رکھو گے تو تمہیں بہت بڑا فائدہ ہوگا اور تم بڑے بڑے کام کر سکو گے۔ یہ نہیں کہ ایسے وقت میں تمہارے اندر غیرت اور حمیت کی لہر ہی پیدا نہ ہو۔ اگر ایسا ہوگا تو یہ بے غیرتی ہوگی جو ذلیل ترین چیز ہے۔

قادیان آؤ

پانچویں بات جو ان چاروں باتوں میں ممد ہوگی وہ قادیان کی آمد ہے۔ اس کے لئے میں نے بار بار کہا ہے اور اب بھی کہتا ہوں۔ کیونکہ یہاں کی آمد میں بے شمار فوائد ہیں اور یہ بہت بڑی نعمت ہے اگر کوئی اس پر غور کرے۔ کیونکہ یہ ان باتوں کے لئے ممد ہے جو میں نے بیان کی ہیں۔

قادیان آنے کا ایک فائدہ

ایک تو اس طرح کہ خدا تعالیٰ نے قادیان کو اسلام کی ترقی کا مرکز بنا دیا ہے اور یہ قدرتی بات ہے کہ جو چیز مرکز سے جس قدر قریب ہوگی وہ اس سے جو دُور ہوگی اتنی ہی زیادہ مضبوط ہوگی۔ وہی لکڑی کمزور ہوگی اور وہی کٹیگی جو مرکز سے دُور ہوگی اور جس کا مرکز سے کم تعلق ہوگا اسی طرح مرکز سے تعلق رکھنے والا انسان ہلاکت سے بچا رہتا ہے۔ دیکھو وہ بچہ جو ماں کی گود میں ہے اس کی نسبت ہلاکت سے زیادہ بچا ہوا ہے جو کھیل رہا ہے۔ پھر وہ بچہ جو گھر میں کھیل رہا ہے اس کی نسبت ہلاکت سے زیادہ بچا ہوا ہے جو گلی میں کھیل رہا ہے اور جو گلی میں کھیل رہا ہے وہ اس کی نسبت ہلاکت سے زیادہ بچا ہوا ہے جو گاؤں کے کسی دوسرے حصہ میں کھیل رہا ہے اور جو گاؤں کے کسی دوسرے حصہ میں کھیل رہا ہے وہ اس کی نسبت زیادہ ہلاکت سے بچا ہوا ہے جو گاؤں سے باہر کھیل رہا ہے۔ خدا تعالیٰ نے قادیان کو مرکز قرار دیا ہے اور اسے اُمّ کہا ہے پس اس سے جتنا جتنا زیادہ کوئی تعلق رکھے گا اتنا ہی زیادہ خطرات سے بچا رہے گا۔

میں نے اس طرف اپنی جماعت کے لوگوں کو بہت دفعہ توجہ دلائی ہے اور توجہ ہوئی بھی ہے مگر غرباء میں سے تو ایسے لوگ ہیں جو چار پانچ چھ دفعہ سال میں یہاں آئیں گے لیکن امراء نہیں آتے۔ وہ سمجھتے ہوں گے کہ ہم بڑے ہو گئے ہیں ہمیں جانے کی کیا ضرورت ہے؟ مگر یاد رکھو بچہ کبھی ماں سے بڑا نہیں ہو سکتا خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو جائے۔ اگر وہ اپنی ماں کے مقابلہ میں کہتا ہے کہ میں بڑا

ہو گیا ہوں تو جاہل ہے نادان ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ باہر گیا ہؤا دُودھ بھی فائدہ دے سکتا ہے مگر اتنا نہیں جتنا تازہ دُودھ۔ یہی وجہ ہے کہ نازک اور چھوٹے بچے کے لئے ماں کی چھاتی کا دُودھ خدا تعالیٰ نے رکھا ہے۔ بڑے انسان کو گائے، بھینس کا دُودھ بھی فائدہ دے سکتا ہے مگر چھوٹے بچے کے لئے ماں کا ہی دودھ فائدہ بخش ہو سکتا ہے۔ تمہاری حالت ابھی چھوٹے بچے کی سی ہے اس لئے تمہیں اس جگہ آکر جسے خدا تعالیٰ نے اُمّ قرار دیا ہے روحانیت کا تازہ بتازہ دودھ پینا چاہئے۔

دوسرا فائدہ

دوسرا فائدہ یہاں آنے میں یہ ہوگا کہ ایک تو تم ان کاموں میں جو یہاں ہو رہے ہیں مدد دے کر ثواب حاصل کرو گے۔ دوسرے اوروں کو دیکھ کر روحانی باتوں کے حاصل کرنے کی تحریک ہوگی۔ یہاں تاجر بھی رہتے ہیں مگر نمازوں اور درس کے وقت دوکانیں بند کر کے چلے جاتے ہیں اور سودے والے شکایت کرتے ہیں۔ تو یہاں دوسروں کو دیکھ کر بھی نیک اور دینی باتوں میں حصہ لینے کی تحریک ہوتی ہے۔

تیسرا فائدہ

تیسرا فائدہ یہ ہے تعلقات مابین میں زیادتی ہوتی ہے۔ ایک بھائی کو دوسرے بھائی سے واقفیت پیدا ہوتی ہے۔ جلسہ کے دنوں میں یہ بات پورے طور پر حاصل نہیں ہو سکتی۔ دوسرے دنوں میں جب لوگ آتے ہیں ایک دوسرے کو اپنے حالات اور تکالیف سناتے ہیں تو ایک دوسرے کا ایمان تازہ ہوتا ہے۔ صحابہؓ آپس میں کہا کرتے تھے آؤ ایمان تازہ کریں[1] اور یہ اس طرح کہ ایک دوسرے کے حالات سنتے اور فائدہ اُٹھاتے۔ پھر اس طرح ایک دوسرے سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ اس غرض کے لئے بھی قادیان آنا ضروری ہے۔

چوتھا فائدہ

چوتھا فائدہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے آپ لوگوں کو متفرق بھیڑوں کی طرح نہیں بنایا بلکہ ایک انتظام کے ماتحت رکھا ہے۔ ایک شخص کے ہاتھ پر اس نے تمہیں جمع کیا ہے اور وہ خلیفہ ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو سامنے رہتا ہے وہ اس سے زیادہ فائدہ اُٹھاتا ہے جو سامنے نہیں ہوتا۔ پھر جو زیادہ خط لکھتا ہے وہ اس سے زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے جو کم خط لکھتا ہے۔ پھر جو شخص یہاں آکر رہتا ہے اس کی روحانیت کو اس سے زیادہ فائدہ پہنچتا ہے جو یہاں نہیں آتا یا کم آتا ہے۔ چنانچہ میں نے ہر تہجد میں ایک سجدہ قادیان میں رہنے والوں کے لئے دُعا کرنے کے مخصوص کیا ہؤا ہے۔ یوں تو وہ دوسری دُعاؤں میں بھی شامل ہو جاتے ہیں مگر ایک سجدہ میں خاص طور پر ان کے لئے دُعا کی جاتی ہے پھر بعض اوقات مجلس میں بیٹھے بیٹھے دعا کی تحریک ہوتی ہے اس

[1] بخاری کتاب الایمان باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بُنی الاسلام علیٰ خمس

وقت میں اس طرح دُعا کرتا ہوں کہ اوّل ان کے لئے جو اس مجلس میں بیٹھے ہوں پھر ان کو ساتھ ملا کر جو قادیان میں رہتے ہیں پھر ساری جماعت کے لئے اس میں پھر قادیان والے آجاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک روحانی اثر ہوتا ہے جو سامنے آنے والے لوگوں پر پڑتا ہے۔ اس کو ہر ایک نہیں سمجھ سکتا۔ مگر یہ تو عام بات ہے کہ جب ڈاکٹر بیمار کے پاس آتا ہے۔ تو بیمار کے چہرہ پر بشاشت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ یہی کہ ڈاکٹر کا اثر اس پر پڑتا ہے۔ اسی طرح دعا کے علاوہ قلب کا ایک اثر ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ بہت سی اصلاح ہو جاتی ہے اور اس اثر کو وہی حاصل کر سکتا ہے جو مجلس میں آکر بیٹھے۔ اور جو مجلس میں نہیں آتا اس پر یہ اثر نہیں ہو سکتا۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ حضرت صاحبؑ کے زمانہ میں بعض ایسے لوگ تھے جو قادیان میں رہتے تھے مگر آپؑ کی مجلس میں نہ آتے تھے پھر انہیں کو ابتلاء آیا۔ تو جو شخص مجلس میں نہیں آتا وہ خواہ زبان سے کچھ بھی نہ بولے دل ہی دل کے ذریعہ اثرات میں سے حصہ لے لیتا ہے۔

پانچواں فائدہ

پانچواں فائدہ یہ ہے کہ خود قادیان برکات کا موجب ہے اور بعض مقام ایسے ہوتے ہیں جن کا برکات سے خاص تعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مکہ اور مدینہ کی نمازوں کا اور جگہ کی نمازیں مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ تو مقام سے بھی برکات حاصل ہوتی ہیں اور ہمیشہ ہوتی ہیں۔ دیکھو مکہ کے لوگ اب گندے ہو گئے ہیں مگر مکہ تو خراب نہیں ہو گیا۔ پیغامیوں میں سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ قادیان جا کر کیا لینا ہے؟ مگر وہ نہیں سمجھتے کہ انسان کی برکتوں سے علیحدہ مقام کی بھی برکتیں ہوتی ہیں۔ جو شخص برکت والے انسان سے تعلق رکھتا ہے وہ برکت والے مقام پر جا کر دوہری برکتیں حاصل کرتا ہے اور جو صرف مقام سے تعلق رکھتا ہے وہ ایک طرح کی برکتیں حاصل کرتا ہے اب اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ نعوذ باللہ قادیان میں کوئی انسان برکت والا نہیں رہ گیا تو بھی قادیان تو برکتوں سے خالی نہیں ہو سکتا۔ گندہ انسان اپنا گند اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے نہ کہ یہاں کی برکتیں بھی لے جا سکتا ہے۔

یہ پانچواں فائدہ ہے قادیان آنے کا۔ یہاں کی نماز، یہاں کا روزہ، یہاں کی عبادت، یہاں کا درس باہر کے مقابلہ میں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ یہاں ہی وہ مسجد اقصیٰ ہے جس کی نسبت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں نماز پڑھنے کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ پھر یہاں ہی وہ مسجد ہے جس میں خدا کا مسیح اُترا۔ پھر یہاں ہی وہ مسجد ہے جہاں راتوں رات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اس تاریکی کے زمانہ میں آکر اُترے۔ اس اندھیری رات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے نکلے اور اس جگہ آگئے۔ پس ان برکتوں کی وجہ سے بھی یہ مقام بہت بڑی فضیلت

رکھتا ہے۔

چھٹا فائدہ

چھٹا فائدہ یہ ہے کہ انسان پوری طرح اس وقت تک کوئی کام نہیں کر سکتا جب تک اس کام کی اہمیت اس کے ذہن نشین نہ ہو۔ باہر رہ کر پتہ نہیں لگ سکتا کہ کس طرح کوئی کام کرنا ہے؟ خواہ کتنا ہی شور ڈالا جائے اور کتنے ہی زور کے ساتھ آگاہ کیا جائے پھر بھی باہر والوں کو پورا پورا پتہ نہیں لگ سکتا۔ یہاں ایک ایک رات میں ایسا کام آپڑتا ہے کہ جس کی وجہ سے انسان کا خون خشک ہو جاتا ہے۔ مگر اس بات کو وہی سمجھ سکتا ہے جو یہاں رہتا ہو۔

پچھلے ہی دنوں تبلیغ کے رستہ میں ایک روک پیش آگئی۔ اسی سے میری طبیعت خراب ہوگئی۔ عام طور پر مجھے قبض رہی ہے مگر اس کی وجہ سے اسہال شروع ہو گئے۔ اس بات سے باہر کے لوگ بالکل ناواقف ہیں مگر یہاں کے لوگوں میں کسی نہ کسی طرح اس کی بھنک پڑ گئی اور ان پر اس کی اہمیت ظاہر ہوگئی۔

تو یہاں کی ضروریات اور یہاں کے کاموں کی اہمیت وہی سمجھ سکتے ہیں جو یہاں آکر رہیں اور جب یہاں آکر کاموں کی اہمیت سے آگاہ ہوں گے تو ان میں کام کرنے کا جوش اور ولولہ بہت زیادہ پیدا ہوگا۔

ساتواں فائدہ

ساتواں فائدہ یہ ہے کہ بعض باتیں مرکزی اُمور سے تعلق رکھتی ہیں اور انفرادی کاموں کی برکتیں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ دیکھو انفرادی طور پر ایک سپاہی لڑ کر جان بھی دے دیتا ہے مگر ملک اس کی اتنی قدر نہیں کرتا جتنی وزیر جنگ کی کرتا ہے۔ کیونکہ وزیر مرکزی بوجھ کو اُٹھائے ہوئے ہوتا ہے۔ تو باہر جو لوگ کام کرتے ہیں وہ انفرادی حیثیت رکھتے ہیں۔ مگر یہاں جو کام کرتے ہیں وہ مرکزی کام کر کے مرکزی برکات سے فائدہ اُٹھا لیتے ہیں۔ یہاں آنے کی یہ سات برکات ہیں جو نفس کی اصلاح سے تعلق رکھتی ہیں۔

دوسروں کی اصلاح کی کوشش کرو

اپنے نفس کی اصلاح کے بعد دوسری بات دوسروں کو نفع پہنچانا ہے اور یہ چیز بھی دو قسم کی ہے پہلی باتیں تو عمل خیر تھیں اور یہ ایصال خیر ہیں۔ جو دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک جسمانی طور پر اور دوسرا روحانی طور پر۔ جسمانی یعنی جسم کو فائدہ پہنچانا اور رُوحانی یعنی روح کو فائدہ پہنچانا۔

جسمانی کی ایک مثال بیان کرتا ہوں کہ ساری تعلیم بیان کرنے کے لئے وقت نہیں ہے اور یہ زکوٰۃ خیرات اور چندہ دینا ہے جنہیں شریعت نے ضروری قرار دیا ہے۔

زکوٰۃ کی فرضیت

زکوٰۃ تو ایسی ضروری چیز ہے کہ جو نہیں دیتا وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں جب کچھ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ

(التوبۃ: ۱۰۳) اس میں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ تو لے۔ اب جب کہ آپؐ نہیں لیتے تو اور کون لے سکتا ہے؟ نادانوں نے یہ نہ سمجھا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام ہوگا جو لے گا۔ لیکن جہالت سے انہوں نے کہہ دیا کہ ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ ادھر تو لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور ادھر فساد ہو گیا قریباً سارا عرب مُرتد ہو گیا اور کئی مدعی نبوت کھڑے ہو گئے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ نعوذ باللہ اسلام تباہ ہونے لگا ہے۔ ایسے نازک وقت میں صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ آپ ان لوگوں سے جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے فی الحال نرمی سے کام لیں۔ حضرت عمرؓ جن کو بہت بہادر کہا جاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ گو میں کتنا ہی جری ہوں مگر ابوبکرؓ جتنا نہیں کیونکہ میں نے بھی اس وقت یہی کہا کہ ان سے نرمی کی جائے۔ پہلے کافروں کو زیر کر لیں پھر ان کی اصلاح کریں گے۔ لیکن ابوبکرؓ نے کہا ابن قحافہ کی کیا حیثیت ہے؟ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے حکم کو بدلائے میں تو ان سے اس وقت تک لڑوں گا جب تک کہ یہ لوگ پوری طرح زکوٰۃ نہ دیں اور اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت اونٹ باندھنے کی ایک رسی جو دیتے تھے وہ بھی ادا نہ کر دیں۔ (بخاری کتاب الزکوٰۃ باب وجوب الزکوٰۃ و مسند احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۴۸) اس وقت صحابہؓ کو پتہ لگا کہ خدا کا بنایا ہوا خلیفہ کس قدر جرأت اور دلیری رکھتا ہے؟ آخر حضرت ابوبکرؓ نے ان کو زیر کیا اور ان سے زکوٰۃ لے کر چھوڑی۔

مگر بہت لوگ ہیں جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔ جب انہیں کہا جائے تو کہتے ہیں اچھا یہ بھی فرض ہے؟ پھر ایک سال یونہی گزار دیتے ہیں گویا انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں۔ دوسرے سال پھر سنتے ہیں مگر ایسا ہی سنتے ہیں گویا نہیں سُنا۔ مگر اس طرح وہ اس فرض کی ادائیگی سے بچ نہیں سکتے۔ جو شخص زکوٰۃ کو چھوڑتا ہے اس سے وہی معاملہ جائز ہو جاتا ہے جو کفار سے کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے جب حضرت ابوبکرؓ کو زکوٰۃ نہ دینے والوں کے متعلق کہا یہ مسلمان ہیں ان سے کافروں والا معاملہ نہ کیا جائے۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ نہیں۔ ان سے کافروں والا ہی معاملہ کیا جائے گا۔ چنانچہ ان کو پکڑ کر غلام بنایا گیا۔

زکوٰۃ کے متعلق ہم نے ایک رسالہ شائع کیا ہوا ہے۔ تم اس کو پڑھو اور جس پر زکوٰۃ واجب ہے

وہ زکوٰۃ دے۔ اور اس رقم کو مرکز میں پہنچاؤ جیسا کہ اس کے متعلق حکم ہے۔

صدقہ دینا

دوسری چیز صدقہ دینا ہے۔ اس کے متعلق شریعت کا کوئی مقرر حکم نہیں ہے کہ اتنا دیا جائے۔ ہاں یہ ہے کہ بچے ہوئے مال سے اپنے مقدور کے مطابق غریبوں پر خرچ کرو۔ ایمان کی ترقی اور نفس کی اصلاح کے لئے یہ بھی نہایت ضروری ہے۔ اگر کوئی زکوٰۃ دیتا ہے تو اس کو ایمان حاصل ہو گیا۔ مگر اس کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو گا جب تک کہ صدقہ بھی نہ دے۔

اس بات کو خوب یاد رکھو کہ قربِ الٰہی کے مدارج کی ترقی نوافل کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ فرائض ادا کرنا انسان کو صرف جہنم سے بچاتا ہے۔ مگر نوافل جنت میں لے جانے کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ پھر فرضوں میں کئی کوتاہیاں ہو جاتی ہیں ان کو پورا کرنے کے لئے ساتھ سنتیں رکھ دی گئی ہیں اسی طرح زکوٰۃ میں جو کوتاہیاں رہ جاتی ہیں ان کو صدقہ دور کر دیتا ہے۔

چندہ دینا

تیسری چیز چندہ ہے۔ جو دین کے جہاد کے لئے ہوتا ہے یہ جہاد خواہ تلوار سے ہو یا قلم اور کتب سے یہ بھی ضروری ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ اور صدقہ تو غرباء کو دیا جاتا ہے اس سے کتابیں نہیں چھاپی جا سکتیں اور نہ وہ مبلغوں کو دیا جا سکتا ہے۔

زکوٰۃ میں حکمت

یہ تینوں چیزیں ضروری ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک میں حکمت ہے۔ زکوٰۃ جس رنگ میں رکھی گئی ہے اس میں تو یہ حکمت ہے کہ اگر یونہی صدقہ کا حکم دیا جاتا رقم اور وقت مقرر نہ ہوتا تو بہت لوگ نہ دیتے۔ اس لئے تھوڑے سے تھوڑا چندہ شریعت نے خود مقرر کر دیا ہے کہ اس قدر اپنے مال میں سے ضرور دیا جائے۔ اس سے زائد جو دے وہ انعام کا مستحق سمجھا جائے اور جو اس حد تک بھی نہ دے وہ مجرم ہو گا۔ پس تم اس حد کو پورا کرو۔

دوسرا اس کے مقرر کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ بعض لوگوں کو جو ضروریات آ پڑتی ہیں ان کو فرداً فرداً پورا نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً ایک شخص غریب ہے اس کو لاکھ روپیہ کی ضرورت آ پڑی ہے۔ کوئی کہے کہ غریب اور پھر لاکھ روپیہ کی ضرورت کا کیا مطلب؟ مگر ہوتی ہے۔ مثلاً ایک تاجر ہے اس کو کاروبار میں گھاٹا پڑ گیا ہے اس کے چلانے کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے۔ ایسے لوگوں کی بھی زکوٰۃ سے مدد کی جا سکتی ہے۔ تو زکوٰۃ سے غرباء کو بھی دیا جاتا ہے تاکہ اپنی ضروریات پورا کریں۔ مگر ان کو بھی دیا جاتا ہے جنہیں کاروبار چلانے کے لئے ضرورت ہو اور پیشہ ور ہوں۔ پس زکوٰۃ کے فنڈ

سے ایسے لوگوں کو دیا جاتا ہے۔ افراد کے چندہ سے ان کا کام نہیں چل سکتا۔

پھر بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دوسرے کا احسان اٹھانا پسند نہیں کر سکتے۔ وہ بھوکے مر جائیں گے مگر یہ گوارا نہیں کریں گے کہ زید کے سامنے جائیں اور اپنی ضروریات کے لئے اس سے کچھ حاصل کریں۔ چونکہ ایسی طبیعت کئی لوگوں کی خدا نے بنائی ہوتی ہے اور ان کا خیال رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے اس لئے شریعت نے یہ رکھا ہے کہ حکومت امراء سے لے اور ایسے لوگوں کو دے تاکہ وہ طبائع جو کسی کا احسان نہیں اُٹھانا چاہتیں وہ اس طرح مدد پائیں۔

صدقہ کے فوائد

دوسری چیز صدقہ ہے۔ اس کے بھی کئی فائدے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کے ذریعہ طبیعت میں ہمدردی کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ زکوٰۃ دینے والے میں یہ مادہ نہیں پیدا ہو سکتا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ تو میں نے حکومت کو ٹیکس دیا ہے۔ اس کے سامنے لینے کے لئے مسکین نہیں آتا بلکہ حکومت آتی ہے اس لئے شریعت نے صدقہ رکھا ہے کہ اس کے سامنے مسکین آئے تاکہ اس میں دوسروں کے ساتھ محبت اور ہمدردی کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ اسی وجہ سے شریعت نے صدقہ دینے کا حکم علیحدہ دیا ہے۔ تاکہ انسان پر محبتانہ اور ہمدردانہ اثر پڑے۔

دوسرا فائدہ اس کا یہ ہے کہ شریعت چاہتی ہے کہ لوگوں کے آپس کے تعلقات مضبوطی کے ساتھ قائم ہوں اور یہ صاف بات ہے کہ جو انسان کسی کو کچھ دیتا ہے اور جو لیتا ہے ان کا آپس میں انس ہو جاتا ہے۔ وہ لوگ جو کسی بچہ کو پالتے ہیں ان کو جب کوئی تکلیف پہنچے تو وہ بچہ ایسا ہی درد محسوس کرتا ہے جیسا اپنا بچہ۔ لیکن اگر غریب بچوں کو حکومت پالے اور روپے لوگ دیں تو ان میں لوگوں کے ساتھ ایسی محبت نہیں پیدا ہو سکتی پس دوسرا فائدہ صدقہ کا یہ ہے کہ لوگوں میں محبت اور ہمدردی کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔

تیسرا فائدہ صدقہ کا یہ ہے کہ اس سے خدا تعالیٰ کے قُرب کا موقع ملتا ہے۔ وہ شخص جو بندھا ہوا کچھ دیتا ہے اس میں ایسی خوشی اور رغبت نہیں پیدا ہوتی جیسی خود بخود دینے والے میں پیدا ہوتی ہے اس لئے شریعت نے زکوٰۃ کے علاوہ صدقہ دینا ضروری رکھا ہے کہ جب کوئی اس طرح مسکین کی مدد کرے گا اور اس سے خوشی اور فرحت محسوس کریگا تو اس کے دل میں اُمنگ پیدا ہوگی کہ پھر بھی خرچ کروں۔

چوتھا فائدہ صدقہ کا یہ ہے جو زکوٰۃ دینے میں اس قدر حاصل نہیں ہوتا کہ مسکین کی دُعا ملتی ہے۔ زکوٰۃ میں مسکین نہیں جانتا کہ مجھے حیدر آباد سے بھیجی ہوئی زکوٰۃ سے دیا گیا ہے یا لاہور کی بھیجی ہوئی سے۔ وہ تو یہی کہے گا کہ ناظر بیت المال کا بھلا ہو جس نے مجھے دیا ہے۔ مگر جب کوئی

شخص اسے خود دیتا ہے تو وہ اس کے لئے خاص طور پر دُعا کرتا ہے۔

مخفی اور ظاہرہ طور پر صدقہ دینا

پھر آگے صدقے دو قسم کے ہیں۔ ایک مخفی جس کا لینے اور دینے والے کے سوا کسی کو پتہ نہیں لگتا۔ اور بعض تو ایسے مخفی صدقے ہوتے ہیں کہ ان میں لینے والے کو بھی پتہ نہیں لگتا کہ کس نے مجھے دیا ہے؟ وہ یہی کہہ سکتا ہے کہ اندھیرے میں دینے والے کا بھلا ہو۔ یہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ بعض لوگوں میں یہ کمزوری ہوتی ہے کہ جب وہ کسی کو صدقہ دیتے ہیں تو اس پر احسان جتلانے لگتے ہیں۔ شریعت نے خفیہ صدقہ رکھ کر انہیں مشق کرائی ہے کہ جب وہ اس طرح دے کر کسی پر احسان نہیں جتلا سکیں گے تو ظاہر دینے میں بھی نہ جتلائیں گے۔ اور ظاہری صدقہ اس لئے رکھا ہے کہ دوسروں کو بھی دینے کی تحریص ہو اور دوسرے بھی ایسا ہی کریں۔ یہ صدقے کے فوائد ہیں۔

چندہ دینے کا فائدہ

تیسری چیز چندہ ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ بعض ایسے مسلمان ہوتے ہیں جو دین کی خدمت میں اتنا وقت نہیں لگا سکتے جتنا لگانا ان کے ذمہ ہوتا ہے۔ وہ اور کاموں میں لگے رہتے ہیں ان کی اس کمی کو پورا کرنے کے لئے چندہ رکھ دیا گیا ہے۔ مثلاً ایک زمیندار جو بہت زیادہ وقت دنیاوی دھندوں میں لگا دیتا ہے اور بہت تھوڑا وقت خدا کے لئے صرف کرتا ہے چندہ کے ذریعہ اسکی اس کمی کو پورا کیا جاتا ہے۔

پس چندہ وہ قیمت ہے جو انسان اس کوتاہی کی ادا کرتا ہے جو اس سے ہوتی ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس سے پورا حق ادا نہیں ہوتا۔ اس لئے کوئی یہ نہ سمجھے کہ چندہ دے کر وہ اپنے فرض سے سبکدوش ہو گیا۔ اس سے صرف کمی پوری ہوتی ہے۔ دیکھو اگر کوئی فرض نہ پڑھے اور نفل پڑھ لے تو کیا نماز کی فرضیت سے آزاد ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح جو چندہ دیتا ہے وہ یہ نہ سمجھے کہ عملی طور پر دین کی خدمت کرنے سے آزاد ہو گیا۔ یہ مال کے ذریعہ دوسروں کو جسمانی فائدہ پہنچانا ہے۔

علمی فائدہ پہنچانا

مگر ایصالِ خیر کا دوسرا پہلو روحانی بھی ہے۔ یہ بھی دو قسم کا ہے۔ ایک علمی فائدہ پہنچانا اور دوسرا رُوحانی۔ یعنی ایک تو وہ جو دین سے تعلق نہیں رکھتا اس سے ورے ورے ہی رہتا ہے اور ایک رُوحانی جو دینی فائدہ ہے۔

بیوی بچوں کو دین سکھانا

پہلی مشق کی سب سے ضروری بات۔ بیوی بچوں کو دین سکھانا اور تعلیم دینا ہے اور یہ نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ اب اگر ہم اپنی اولاد

کو تعلیم نہ دیں آج سے پچاس سال بعد ہماری ہی اولاد سے ایسے لوگ کھڑے ہو جائیں گے جیسے دوسرے لوگ ہیں ایسی صورت میں ہمیں ان قربانیوں اور کوششوں کی کیا ضرورت ہے جو ہم دین کے لئے کر رہے ہیں۔ اگر ہم اس وقت امریکہ یورپ اور افریقہ سے پکڑ پکڑ کر لوگوں کو اسلام کی طرف تو لائیں مگر اپنی اولاد کو دین نہ سکھائیں تو اس کا کیا فائدہ ؟

پس احمدیوں کا فرض ہے کہ اپنے بچوں کی تربیت کریں۔ یہ نظم جو آج سُنائی گئی ہے مَیں نے انہی بچوں کے لئے لکھی ہے جو اس وقت تربیت کے محتاج ہیں۔ وہ قوم کبھی قائم نہیں رہ سکتی جو اپنی اولاد کی تربیت نہیں کرتی۔ پس جب تک تم اپنی اولاد، بیوی بچوں کو دین نہیں سکھلاتے تمہاری کوششوں کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کپڑا بنا کر پھاڑ ڈالا جائے۔ تم ان کو دین سکھاؤ اور اس طرح سکھاؤ کہ ان میں ایسا رچ جائے کہ ان کے لئے دین کو چھوڑنا زیادہ مشکل ہو بہ نسبت اس کے کہ ان کے گلے پر چھری رکھی جائے تو اس کے نیچے سے نکلنا۔ دیکھو ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کا بچہ اس سے بڑا انسان بنے۔ پھر تمہیں یہ کس طرح گوارا ہو سکتا ہے کہ تمہاری اولاد دین میں تم سے کم رہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نبی تھے مگر دیکھو خیر خواہوں کی نیت کیسی ہوتی ہے جب مَیں نے تشحیذ نکالا تو ایک دفعہ مسجد میں حضرت خلیفہ اوّل کو کہا گیا آپ نے تشحیذ پڑھا ہے ؟ انہوں نے کہا پڑھا ہے۔ اچھا لکھا ہے۔ مگر مجھے پسند نہیں آیا کیونکہ ہمارے ہاں ٹوڈا ۴۲ کی مثال مشہور ہے۔

مَیں نہیں سمجھتا تھا کہ ٹوڈا کیا ہوتا ہے ؟ مولوی صاحب نے فرمایا ٹوڈا اونٹ کا بچہ ہوتا ہے اور مثل ہے کہ اونٹ کی قیمت ۴۰ ہو تو اس کے بچے کی ۴۲ ہونی چاہئے۔ ہم تو تب سمجھتے جب تم مرزاؑ سے بڑھ کر لکھتے۔ یہ تو ان کا ذوق تھا۔ مگر ہر شخص جو خیر خواہ ہو۔ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ ہمارے قائمقام بننے والے ہم سے بڑھ کر ہوں۔

ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب کے مکان پر اس سفر میں کہ جس میں حضرت مسیح موعود فوت ہوئے ایک دفعہ ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب کسی ہندو پنشنر سیشن جج کی آمد کی خبر دینے آئے جو بغرض ملاقات آئے تھے۔ آپؑ نے اس وقت ان سے کہا کہ میں بھی بیمار ہوں۔ مگر محمود بھی بیمار ہے مجھے اس کی بیماری کا زیادہ فکر ہے آپ اس کا توجہ سے علاج کریں۔ تو والدین کو اپنی اولاد کا بڑا فکر ہوتا ہے۔ مگر تم میں سے بہت سے ایسے ہیں جو اپنی اولاد کو احمدی بنانے کا فکر نہیں کرتے۔ اپنی اولاد کو دین نہیں سکھاتے۔ نماز کا وقت ہوگا تو سردی یا کسی اور وجہ سے کہیں گے بچہ نے نماز نہیں پڑھی تو کیا ہوا ؟ حالانکہ بچوں کی تربیت کا زمانہ ان کا بچپن کا ہی زمانہ ہوتا ہے اور بچپن کی تربیت ہی

آئندہ زندگی میں کام آسکتی ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں؟ کہ ہمارے ملک میں جن کو شاہ دولا کا چوہا بنایا جاتا ہے ان کے سروں پر بچپن میں ہی خول چڑھا دیا جاتا ہے۔ کیونکہ بڑے کا سر چھوٹا نہیں کیا جاسکتا۔

پس آپ لوگ بچوں کی خاص طور پر تربیت کریں اور ایسی تربیت کریں کہ ایمان میں آپ سے بڑھ جائیں۔ آپ لوگوں کی مثال تو ایسی ہے جیسے ترکھان لکڑی کو تراش کر کوئی چیز بناتا ہے۔ مگر بچوں کی کی ایسی مثال ہے جیسے کسی چیز کو ڈھالا جاتا ہے اور ڈھالنے میں کوئی چیز ضائع نہیں ہوتی۔ مگر تراشنے میں کچھ نہ کچھ الگ کرنی پڑتی ہے۔ اور اس میں محنت بھی زیادہ صرف ہوتی ہے۔ پس تم اپنی اولاد کو دین کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرو تاکہ تمہارے بعد ایک مضبوط جماعت پیدا ہو جائے اور جب تم فوت ہونے لگو تو تمہارے دل غمگین نہ ہوں بلکہ خوشی سے بھرے ہوئے ہوں کہ ہم ایسی جماعت کے سپرد دین کی امانت کر رہے ہیں جو اس کی حفاظت کرنے کی اہل ہے۔

پس کبھی یہ خیال مت کرو کہ بچہ اگر کوئی بُری حرکت کرتا ہے یا دین نہیں سیکھتا تو کوئی حرج نہیں بڑا ہو کر سیکھ لے گا۔ سیکھنے کی عمر دراصل بچپن ہی ہے۔ بہت لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ بچہ نے جھوٹ بولا تو کیا ہُوا۔ بڑا ہو کر چھوڑ دے گا۔ مگر انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ جو بچہ ہونے کی حالت میں جھوٹ بولتا ہے وہ بوڑھا ہونے تک بھی اسے نہیں چھوڑے گا کیونکہ اسے تو جس طرح ڈھلنا تھا ڈھل چکا۔ دیکھو جن بچوں کے سر کو بچپن میں چھوٹا کر دیا جاتا ہے ان کے بڑے ہونے پر سر بڑا نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح جو بچپن میں جھوٹ بولتا ہے یا چوری کرتا ہے وہ بڑا ہو کر چوری چھوڑ نہیں دے گا بلکہ بڑا چور بن جائے گا سوائے اس کے جسے خدا تعالیٰ کاٹ کاٹ کر صاف کر دے۔

پس اپنے بچوں کی تربیت کرو اور یہ مت خیال کرو کہ نمازیں پڑھنے میں انہیں تکلیف ہوتی ہے یا روزہ رکھنے میں وہ کمزور ہو جاتے ہیں۔ دین کے احکام پر ان سے عمل کراؤ۔ اور اگر وہ کوئی بری بات کریں تو سمجھاؤ اور بے شک نرمی سے سمجھاؤ۔ لیکن اگر نرمی سے نہ مانیں اور سختی کی ضرورت ہو تو سختی بھی کرو۔

دوسروں کو تبلیغ کرو

دوسری قسم روحانیت کی تبلیغ ہے۔ یہ بھی نہایت ضروری بات ہے اور کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک دوسروں کو تبلیغ نہ کرے۔ یہ خدا تعالیٰ نے مؤمن کا فرض رکھا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (آل عمران: ۱۱۱)

کہ تم سب سے بہتر اُمّت ہو جو لوگوں کے فائدہ کے لئے پیدا کئے گئے ہو اس لئے تمہارا فرض ہے کہ تم لوگوں کو نیکی سکھاؤ اور بُرائی سے روکو۔

پس جب خدا تعالیٰ نے ہر مؤمن کا یہ فرض قرار دیا ہے اور وہ پیدا ہی اسی غرض کے لئے کیا گیا ہے تو کس قدر افسوس کی بات ہے اگر اس فرض کو ادا کرنے کی کوشش نہ کی جائے اور پھر کیا فائدہ ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے کا؟ اگر آپ جس غرض کے لئے آئے تھے اس کو پورا کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے دُنیا میں آئے تھے کہ لوگوں سے اسلام منوائیں۔ اب اگر کوئی دوسروں کو اسلام نہیں منواتا تو اس کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننا کیا ہُوا؟ کچھ بھی نہیں۔ پھر اس کے بغیر مسلمان قوم زندہ ہی نہیں رہ سکتی کیونکہ تبلیغ کرنے کے معنی آگ بُجھانے کے ہیں۔ اور کیا تم بتا سکتے ہو کہ اگر کسی کے ہمسائے میں آگ لگی ہو اور وہ اس کو نہ بُجھائے تو اس آگ کی لپیٹ سے وہ بچ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس اگر تمہارا ہمسایہ یہودی یا عیسائی یا آریہ یا غیر احمدی ہے۔ یا تمہارا بچہ یا بھائی یا اور دوسرے رشتہ دار احمدی نہیں ہیں تو وہ ضرور تمہیں بھی خراب کریں گے اور ان کے کفر کا اثر تمہارے تک بھی پہنچے گا۔ پس کفر ایک آگ ہے اور مؤمن کا فرض ہے کہ اپنے گھر تک پہنچنے سے قبل ہی اسے بُجھانے کی کوشش کرے اور یہ نہ سمجھے کہ اگر اس کے ہمسائے میں کفر کی آگ جل رہی ہے تو جلتی رہے اس سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ تم خاص طور سے لوگوں میں تبلیغ کرنے کی کوشش کرو اور لوگوں کو سلسلہ کی طرف توجہ دلاؤ۔ اگر ہندو اور عیسائی ہیں تو ان کو اسلام کی طرف لاؤ اور اگر غیر احمدی ہیں تو ان کو سلسلہ کی خصوصیات بتا کر سلسلہ میں لاؤ۔

دیکھو تبلیغ کے متعلق یہ نصیحتیں مَیں بہت دفعہ کر چکا ہوں اور اب بھی مختصر طور پر کہہ دیا ہے کیونکہ وقت بہت ہو گیا ہے۔ ان کو خوب اچھی طرح یاد رکھو اور ان پر عمل کرو۔ آج ہی میں نے آپ لوگوں کو بتایا ہے کہ اس سال تبلیغ نہ کرنے کی وجہ سے تمہارے ذمہ قرضہ ہو گیا ہے اس کی ادائیگی کی فکر کرو۔ اور یہ تمہارے ذمہ قرضہ نہیں بلکہ جرمانہ ہے کیونکہ تم نے سُستی سے کام لیا ہے اس کو بہت جلدی ادا کرنا چاہئے۔

اب کے مَیں نے تجویز کی ہے کہ جس طرح ضلع وار رقمیں تقسیم کی جاتی ہیں۔ اسی طرح ضلعوں میں یہ بھی تقسیم کی جائے کہ اتنے اتنے احمدی بنانے کی کوشش کرو۔ اور جس طرح سالانہ جلسہ پر ناظر بیت المال تمہیں بتاتا ہے کہ فلاں جماعت نے اتنا چندہ دیا اور فلاں نے اتنا۔ اسی طرح

ناظر تالیف و اشاعت بتایا کرے گا کہ فلاں جماعت نے اتنے احمدی بنائے اور فلاں نے اتنے۔
اگر یہ باتیں جو مَیں نے آپ لوگوں کو بتائی ہیں مان لو تو یقیناً یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے وہ وعدے جو اس نے اپنے مؤمن بندوں کے متعلق کئے ہیں وہ پورے ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے تو وہ وعدے بھی جو معمولی بندوں کے متعلق ہوتے ہیں پورے ہوتے ہیں پھر اگر کوئی شخص پورا مؤمن بن جائے تو کس طرح ممکن ہے کہ وہ وعدے جو مؤمنوں کے متعلق ہیں پورے نہ ہوں۔
میں نے حضرت صاحبؑ کا لکھا ہوا ایک نوٹ دیکھا تھا اور اسے چھپوا دیا ہے۔ اس میں آپؑ لکھتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ تُو خدا کو چھوڑ دے مگر میں کس طرح چھوڑ سکتا ہوں؟ جب کہ سب سوئے ہوتے ہیں خدا مجھے آکر جگاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ تمہیں کسی سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بتاؤ ایسے خدا کو مَیں کس طرح چھوڑ سکتا ہوں۔ تو خدا اپنے بندوں سے بڑی محبت کرنے والا ہے۔ مسیح موعودؑ تو بہت بڑا درجہ رکھتے تھے مَیں اپنا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں جس کو یاد کر کے مجھے عجیب لذت آتی ہے۔
کچھ دن ہوئے ایک ایسی بات پیش آئی کہ جس کا کوئی علاج میری سمجھ میں نہ آتا تھا۔ اس وقت میں نے کہا کہ ہر ایک چیز کا علاج خدا تعالیٰ ہی ہے اسی سے اس کا علاج پوچھنا چاہئے۔ اس وقت مَیں نے دُعا کی اور وہ ایسی حالت تھی کہ مَیں نفل پڑھ کر زمین پر ہی لیٹ گیا۔ اور جیسے بچہ ماں باپ سے ناز کرتا ہے اسی طرح مَیں نے کہا۔ اے خدا! مَیں چارپائی پر نہیں زمین پر ہی سوؤں گا۔ اس وقت مجھے یہ بھی خیال آیا کہ حضرت خلیفہ اوّل نے مجھے کہا ہوا ہے کہ تمہارا معدہ خراب ہے اور زمین پر سونے سے معدہ اور زیادہ خراب ہو جائے گا۔ لیکن مَیں نے کہا۔ آج تو مَیں زمین پر ہی سوؤں گا۔
یہ بات ہر ایک انسان نہیں کہہ سکتا بلکہ خاص ہی حالت ہوتی ہے۔ یہ کوئی چھ سات ہی دن کی بات ہے جب میں زمین پر سو گیا تو دیکھا کہ خدا کی نصرت اور مدد کی صفت جوش میں آئی اور متمثل ہو کر عورت کی شکل میں زمین پر اُتری۔ ایک عورت تھی اس کو اس نے سوٹی دی اور کہا اسے مار اور کہو جا کر چارپائی پر سو۔ مَیں نے اس عورت سے سوٹی چھین لی۔ اس پر اس نے (خدا تعالیٰ کی اس مجسم صفت نے) سوٹی خود پکڑ لی اور مجھے مارنے لگی۔ اور مَیں نے کہا لو مار لو۔ مگر جب اس نے مارنے کے لئے ہاتھ اُٹھایا تو زور سے سوٹی گھٹنے تک لا کر چھوڑ دیا اور کہا۔ دیکھ محمود! مَیں تجھے مارتی نہیں۔ پھر کہا جا اُٹھ کر سو رہو یا نماز پڑھ۔ مَیں اسی وقت کود کر چارپائی پر چلا گیا اور جا کر

سو رہا۔ مَیں نے اس وقت سمجھا کہ اس حکم کی تعمیل میں سونا ہی بہت بڑی برکات کا موجب ہے۔

تو خدا تعالیٰ جس سے محبت کرتا ہے اس کے سامنے سب کچھ ہیچ ہو جاتا ہے۔ تم اس کے لئے کوشش کرو کہ خدا تعالیٰ تم سے محبت کرے۔ تاکہ اس کی مدد اور نصرت تم کو مل جائے۔ اور جب اس کی نصرت تمہارے ساتھ شامل ہو جائے تو پھر ساری دُنیا ہے کیا چیز؟ وہ تو ایک کیڑے کی بھی حیثیت نہیں رکھتی۔

مؤمنوں کے متعلق خدا کے وعدے

اب میں وہ وعدے سناتا ہوں جو خدا تعالیٰ نے مؤمنوں کے ساتھ کئے ہیں۔ ان کو سنو اور سوچو کہ خدا تعالیٰ مؤمنوں پر کیا کیا انعام کرنے کے وعدے فرماتا ہے؟

بدیوں کے چھپے رہنے کی خواہش

دیکھو انسان کی کیا خواہشات ہوتی ہیں؟ کبھی وہ یہ کہا کرتا ہے کہ اس کی کمزوریاں دُور ہو جائیں اور اس کی غلطیوں پر کوئی آگاہ نہ ہو۔ اور یہ خواہش ایسی فطرتی ہے کہ بعض حیوان بھی جو تربیت یافتہ ہوتے ہیں ان میں بھی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ وہ پاخانہ پھر کر اس پر مٹی ڈالتے ہیں۔ تو یہ ایسی فطرتی بات ہے کہ حیوانوں تک میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ (آل عمران: ۱۹۶)

کہ وہ لوگ جو میرے لئے اپنے رشتہ داروں کو، اپنے مال کو، اپنے وطن کو چھوڑ دیتے ہیں، جو اپنے گھروں سے نکالے جاتے ہیں، میرے دین کو قبول کرنے کی وجہ سے دُکھ دئے جاتے ہیں میرے دین کے لئے لڑتے اور مارے جاتے ہیں میں ان کی بدیاں ڈھانپ دوں گا ان کی غلطیوں کی پردہ پوشی کروں گا کسی کی طاقت نہیں ہوگی کہ ان کی بدیوں کو دیکھ سکے۔ بلکہ جیسا کہ صوفیاء نے لکھا ہے کہ ایسا شخص جس کے گناہوں پر خدا تعالیٰ پردہ ڈال دے اگر اس کے گناہوں کو کوئی دیکھنا چاہے تو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

تو جو خدا تعالیٰ کے ہو جاتے ہیں ان سے اگر غلطیاں بھی ہو جائیں تو بعض اوقات خدا تعالیٰ ان کو ڈھانپ دیتا ہے اور بعض دفعہ ان کی غلطیوں کو دُور کر دیتا ہے یہ اتنا بڑا وعدہ ہے کہ جو خدا تعالیٰ کے سوا اور کوئی کر ہی نہیں سکتا۔

پاک ہونے کی خواہش

پھر انسان چاہتا ہے کہ پاک ہو جائے۔ اچھی باتیں اس میں پائی جائیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (الاحزاب: ۷۱-۷۲)

کہ اے لوگو! اگر تم مؤمن بن جاؤ۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور پکی بات کہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا اللہ تمہارے اعمال نیک کر دے گا اور تم سے بدی سرزد ہی نہ ہوگی۔

اس سے ظاہر ہے کہ مؤمن ترقی کر کے اس حد کو پہنچ جاتا ہے کہ اس سے جو بات بھی سرزد ہوتی ہے نیک ہی سرزد ہوتی ہے بُری نہیں ہوتی۔

دنیا میں عزت اور رُتبہ پانے کی خواہش

پھر انسان چاہتا ہے کہ اسے دُنیا میں عزت اور رُتبہ ملے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ آؤ مؤمن بن جاؤ ہم تم کو یہ بھی دے دیں گے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (حٰمٓ السجدۃ: ۳۱-۳۲)

ایسے لوگوں پر فرشتے نازل ہوتے ہیں جو انہیں کہتے ہیں کہ ہم اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی تمہارے مددگار ہیں اور تم کو کامیابی ہوگی تم کسی قسم کا خوف نہ کرو۔

علم اور فہم حاصل ہونے کی خواہش

پھر انسان علم اور فہم چاہتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا (الانعام: ۱۲۳)

کہ کیا وہ جو مُردہ تھا اور ہم نے اس کو زندہ کیا۔ اور پھر اسے شمع نورانی دے دی تاکہ ہر تاریکی میں اسے رستہ مل جائے۔ وہ اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جو ظلمت میں پڑا ہو اور اس سے نکل نہ سکتا ہو۔

اس سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ مؤمن کو وہ نُور دیتا ہے کہ جس کا کوئی مقابلہ کر ہی نہیں سکتا۔ تو انسان علم کو پسند کرتا ہے۔ فرمایا مؤمن بن جاؤ تو یہ بھی لے لو۔ مَیں نے بتایا تھا کہ حضرت صاحبؑ

کو خدا تعالیٰ نے وہ علم سکھایا کہ کوئی انسان آپؑ کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اب مجھے خدا تعالیٰ نے ایسا علم دیا ہے کہ خواہ کوئی ایسا علم جس کا مجھے پتہ بھی نہ ہو اس کے جاننے والا اس علم کے ذریعہ اگر اسلام پر اعتراض کرے تو خدا تعالیٰ مجھے اس کا ایسا جواب سکھاتا ہے کہ پھر وہ بول ہی نہیں سکتا۔ حضرت صاحبؑ کو ایک ہی علم نہیں سکھایا گیا تھا بلکہ مختلف طرح کے علوم سکھائے گئے تھے۔ چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں کہ ایک ہی رات میں مجھے خدا تعالیٰ نے چالیس ہزار الفاظ کا مادہ سکھایا۔ (انجام آتھم روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ ۲۳۴) یہی وجہ تھی کہ کوئی انسان آپؑ کے مقابلہ میں عربی نہیں لکھ سکتا تھا۔

ہر آفت سے بچنے کی راہ

پھر فرمایا:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ (الانفال: ۳۰)

کہ اے لوگو! اگر مؤمن ہو جاؤ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم تمہیں ہر مصیبت اور ہر تکلیف سے نکلنے کے سامان بتا دیں گے۔

مؤمن پر بھی تکالیف آتی ہیں۔ مؤمن بھی بیمار ہوتا ہے۔ مگر وہ ہلاک نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ خدا کے کسی برگزیدہ انسان کو قابلِ نفرت بیماری مثلاً کوڑھ وغیرہ نہیں ہوتی۔ انبیاءؑ میں یہ مرض نہیں ہوتا نہ وہ پاگل یا اور اسی قسم کی ہلاکتوں میں مبتلا کئے جاتے ہیں۔

دُنیا میں رُعب و داب حاصل ہونے کی خواہش

پھر انسان دنیا میں اپنا رعب و داب چاہتا ہے اور اس کے لئے بڑی بڑی کوششیں کی جاتی ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے آؤ اس کے حاصل کرنے کا طریق بھی میں بتاؤں۔ چنانچہ فرماتا ہے۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا (النور: ۵۶)

کہ خدا تعالیٰ مؤمنوں سے وعدہ کرتا ہے کہ ان میں ایسے بادشاہ اور خلیفے بنائے گا جیسے کہ پہلوں میں بناتا تھا۔ اور وہ صرف ظاہری شان و شوکت ہی نہ رکھتے ہوں گے بلکہ ایسے ہوں گے کہ ان کے ذریعہ دین کی تمکین ہوگی اور ان کے خوف کو اللہ تعالیٰ امن سے بدل دے گا۔ ان پر کسی کا رُعب نہیں ہوگا بلکہ

ان کا لوگوں پر رُعب ہو گا۔

نئی نئی چیزیں حاصل ہونے کی خواہش

پھر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے نئی نئی چیزیں ملیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے میں اس کو بھی پورا کر دوں گا۔ چنانچہ فرمایا:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔

(السجدۃ: ۱۸)

کہ مؤمن کو ہمیشہ اخفاء ہی رہتا ہے۔ خواہ وہ کسی درجہ اور رُتبہ پر پہنچ جائے۔ لوگ پُرانی چیز کو پسند نہیں کرتے۔ اگر کوئی کپڑا ایک سال تک نہ پھٹے تو کہتے ہیں کہ اس سے جی اُکتا گیا ہے یہ پھٹتا ہی نہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ تم کو ایسی نئی نئی چیزیں دی جائیں گی جن کا تم کو اس سے پہلے علم بھی نہ ہو گا۔

دشمن کے تباہ ہونے کی خواہش

پھر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا دشمن تباہ ہو۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ (الاحزاب: ۵۸-۵۹)

وہ لوگ جو خدا اور اس کے رسولؐ کو ایذاء دیتے ہیں اور وہ جو مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو دُکھ دیتے اور ان پر جھوٹے الزام لگاتے ہیں ان کو ہم جلا کر راکھ کر دیں گے۔

پھر فرمایا:۔

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ۝ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ۝ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ۝ قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ۝ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ۝ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ

الفَآئِزُوْنَ (المؤمنون: ۱۰۴ تا ۱۱۲)

ان آیات میں خدا تعالیٰ نے عذاب کا عجیب نقشہ کھینچا ہے۔ فرماتا ہے۔

مؤمنوں کے دشمن جب قیامت کے دن پیش کئے جائیں گے۔ تو ہم کہیں گے لے جاؤ ان کو جہنم میں۔ اس وقت وہ کہیں گے ہم سے غلطی ہوگئی۔ یہ بخشی جائے۔ اور ہمارا یہ قصور معاف کیا جائے۔ ایسا دردناک عذاب دیکھ کر وہ کیوں نہ گھبرائیں گے؟ کہ فِیْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ یا تو ان کی یہ حالت تھی۔ کہ کہتے تھے ہم ہی حق پر ہیں یا کہیں گے كُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ہم تو بڑے گمراہ تھے۔ اس وقت وہ کہیں گے۔ ایک دفعہ اس سے نکال دیجئے۔ پھر اگر کریں گے تو نہ بخشنا۔ خدا تعالیٰ نے اس کا عجیب جواب دیا ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ مؤمنوں کو دُکھ دینے والوں کو کس قدر سزا دی جائے گی۔ فرماتا ہے۔ قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ جاؤ اور چلے جاؤ بلکہ جہنم میں جاؤ اور مجھ سے بات نہ کرو۔ مَیں تمہاری بات نہیں سُنتا۔ کیوں رحیم وکریم خدا ان کی بات نہیں سُنتا؟ اس لئے کہ فرماتا ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ کہ کچھ میرے بندے تھے۔ جو کہتے تھے۔ ہم ایمان لائے اپنے رب پر اور اپنے رب سے بخشش مانگتے تھے۔ تم ان میرے پیاروں سے ہنسی اور مخول کرتے تھے۔ کس قدر غیرت اور محبت ہے۔ فرماتا ہے تم نے جو میرے بندوں کا دل دُکھایا تو میں تمہاری بات کیوں سنوں؟

انعام کے کم نہ ہونے کی خواہش

پھر انسان چاہتا ہے کہ جو انعام ملے وہ کم نہ ہو اور چھینا نہ جائے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (ھود: ۱۰۹)

جو تمہیں نعمت ملے گی وہ کبھی کٹے گی نہیں۔ بلکہ اس میں تم بڑھتے ہی جاؤ گے۔ پھر اس عطا کی خدا تعالیٰ تشریح کرتا ہے۔ کہ غیر مجذوذ ہے۔ اس کی کوئی حد بندی ہی نہیں۔ جو کچھ ان کے دل میں خواہش پیدا ہوگی وہی پوری ہو جائے گی۔ اور جو کچھ وہ چاہیں گے وہی انہیں مل جائے گا۔ کوئی کہے کہ انسان کی خواہش ہی کس قدر ہو سکتی ہے؟ خواہ وہ کس قدر بھی خواہش کرے تھوڑی ہی ہوگی۔ اس

کے متعلق فرماتا ہے کہ ہم اسی کی خواہش کرنے پر نہ رہیں گے بلکہ اپنی طرف سے دیں گے۔

پھر فرماتا ہے۔

وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ (ابراہیم: ۲۴)

وہ لوگ جو مؤمن ہوں گے۔ ان کو اعلیٰ مقام پر جگہ دی جائے گی اور جب وہ اس مقام پر پہنچیں گے فرشتے ان کے پاس آئیں گے۔ اور انہیں مرحبا مرحبا کہینگے یعنی یہ کہ تم سلامتیوں میں رہو۔ یہ کس قدر اکرام ہے کہ خدا تعالیٰ کے وزراء آکر بندوں کا استقبال کریں گے۔

اپنے متعلقین کو عزت ملنے کی خواہش

پھر انسان چاہتا ہے کہ نہ صرف اسے عزت حاصل ہو بلکہ اس کے متعلقین کو بھی عزت ملے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ (الرعد: ۲۳ تا ۲۵)

کہ وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اپنے رب کی مرضی چاہنے کے لئے اور نمازوں کو قائم کیا اور خرچ کیا اس میں سے جو ان کو دیا گیا پوشیدہ اور ظاہر اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ بدی کو ہٹا دیا یہی وہ لوگ ہیں جن کا آخری گھر جنت ہے۔ وہ اس میں داخل کئے جائیں گے۔ اور ان کے آباء اور بیویاں اور اولاد کو بھی جنہوں نے ایسا ہی کیا داخل کیا جائے گا۔ فرشتے ان کے پاس آئیں گے۔ اور ان پر سلامتی کہیں گے۔

اس سے ظاہر ہے کہ ایک مؤمن کی اولاد سے جو مؤمن ہوں گے۔ خواہ وہ نچلے ہی درجہ کے ہوں گے ان کو بھی اس کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ پھر کوئی یہ خیال نہ کرے کہ باپ جو اعلیٰ درجہ کا مؤمن ہوگا اس کو کچھ کم درجہ پر لے آیا جائے گا اور اولاد کو کچھ اوپر کر کے اس کے ساتھ ملا دیا جائے گا بلکہ یہ ہوگا کہ نچلے درجہ والے کو بڑھا کر اوپر لے جایا جائے گا۔ پھر اس بات کو اولاد تک ہی نہیں رکھا بلکہ یہ بھی فرما دیا ہے کہ اگر خاوند بڑے درجہ پر ہوگا اور بیوی چھوٹے درجہ پر تو بیوی

کو بھی خاوند کے درجہ پر پہنچا دیا جائے گا۔ اور اگر بیوی بڑے درجہ پر ہوگی اور خاوند چھوٹے درجہ پر تو خاوند کو بڑے درجہ پر لے جاکر بیوی کے ساتھ شامل کر دیا جائے گا۔

اب غور کرو۔ یہ کس قدر فضل اور رحم ہے اور کس قدر مؤمن کے ساتھ رعائت کی گئی ہے مثلاً اگر باپ ۱۰ نمبر کے مقام پر ہوگا اور بیٹا ۳ نمبر کے مقام پر تو بیٹے کو بھی ۱۰ نمبر پر پہنچا دیا جائے گا اس کے باپ کا باپ اگر ۳۰ نمبر پر ہوگا تو ان دونوں کو اس تک پہنچانے کے لئے ۳۰ نمبر پر لے جایا جائیگا اسی طرح ان کے آباء میں سے جو سب سے اعلیٰ درجہ پر ہوگا اسی تک سب کو پہنچا دیا جائے گا یعنی اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے کوئی کافر نہیں ہوگیا تو سب کو آپؐ کے پاس پہنچا دیا جائے گا اسی طرح اگر حضرت ابوبکرؓ کی اولاد سے کوئی کافر نہیں ہوگیا تو ان سب کو ان کے پاس لے جایا جائے گا۔ یہی حال تمام مؤمنوں کا ہوگا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں سے آپؐ کے اوپر کے لوگوں میں سے جہاں تک مؤمن ہوں گے ان کو بھی کھینچ کر آپؐ تک لے جایا جائے گا۔

اب دیکھو کس قدر بڑا درجہ ایک مؤمن کو حاصل ہوگا۔ بظاہر تو یہی کہا گیا ہے کہ باپ بیٹے سے یا بیٹا باپ سے ملا دیا جائے گا۔ لیکن یہ سلسلہ آگے دادا تک بھی چلتا ہے اور پھر اسی طرح اس سے آگے۔ تو یہ بہت بڑی رحمت ہے جو مؤمنوں پر کی جائے گی۔

محبوب کا قرب حاصل ہونے کی خواہش

پھر انسان سب سے زیادہ اس بات کو چاہتا ہے کہ اسے اپنے محبوب کا قرب حاصل ہو۔ خدا فرماتا ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (التوبہ: ۷۲)

خدا تعالیٰ کا مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں سے وعدہ ہے کہ ان کو ایسے مقامات ملیں گے جن میں باغات ہوں گے اور جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ باغ بھی ایسے ہوں گے جو ہمیشہ رہنے والے ہونگے اور ان سے بڑھ کر ان کو یہ نعمت ملے گی کہ خدا ان سے راضی ہو جائے گا اور وہ اپنے محبوب سے مل جائینگے۔

اپنے نفسوں میں غور کرو کہ کیا تم انعام پانے کے مستحق ہو؟

ان نعمتوں کو دیکھو جو خدا تعالیٰ نے مؤمنوں کے لئے بیان فرمائی ہیں اور بتاؤ کوئی نعمت ان سے باہر رہ گئی ہے؟ ہرگز نہیں۔ آپ لوگ ان کو سن کر خوش

ہوئے ہوں گے اور میں بھی خوش ہوا ہوں۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی تو دیکھو کہ یہ کن لوگوں کے لئے ہیں ؟ اُن کے لئے جو مؤمن ہوں گے۔

مَیں نے آپ لوگوں کو یہ نعمتیں اس لئے سُنائی ہیں کہ آپ دیکھیں آپ کے نفس میں کوئی ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے یہ تمہیں ملنی چاہئیں۔ ان کو دیکھو اور سوچو کہ کیا ان کو حاصل کرنے کی تم میں اہلیت اور قابلیت ہے ؟ اور ان کو پانے کے تم مستحق ہو گئے ہو ؟ معمولی سے معمولی انعام بھی کسی کو اس وقت تک نہیں ملتا جب تک کہ وہ اپنے آپ کو اس کے قابل نہیں بنا لیتا۔ پھر کیا تم اتنے بڑے انعامات کو پانے کے مستحق ہو ؟ یہ تو وہ انعام ہیں اور اتنے بڑے انعام ہیں کہ اگر کسی بادشاہ کے سامنے بھی ان کو رکھا جائے تو وہ بھی انہیں دیکھ کر حیران ہو جائے اور ہمارے مخالفین تو جانتے ہی نہیں کہ یہ انعام مل سکتے ہیں۔ مگر خدا نے ہم سے تو ان کا وعدہ کیا ہے۔ لیکن سوال یہی ہے کہ آیا تم ان کے مستحق بھی ہو گئے ہو ؟ اگر نہیں تو پھر تمہیں کون سی خوشی ہے ؟ پھر کیا تم نے ان انعامات کے حاصل کرنے کے قابل اپنے آپ کو بنانے کی کوشش کی ہے ؟ اگر تم نے ان کو حاصل کرنے کا استحقاق ہی پیدا نہیں کیا اور نہ اس کے لئے کوشش کی تو پھر یاد رکھو کہ تمہارے لئے نہیں بلکہ ان کے لئے ہے جو اپنے آپ کو ان کا مستحق بنائیں گے۔

تم اپنے نفسوں میں غور کرو اور دیکھو کہ کیا جس طرح تم چندہ دینے میں بہت لیت ولعل کرتے ہو اگر اسی طرح سرکاری ٹیکس دینے والے کریں تو ان کو کوئی انعام ملے گا ؟ انعام نہیں بلکہ ان سے تو جیل خانے بھرے جائیں گے۔ ہمارے سیکرٹری اور کارکن تو چندہ کے لئے تمہارے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں اور تم کوئی پرواہ نہیں کرتے۔

پھر اسی طرح نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور دوسرے احکام کو دیکھو کہ آیا تم ان کو ایسے رنگ میں پورا کرتے ہو کہ تمہیں انعام مل سکے ؟

کیا تم خلافت کی اطاعت اسی طرح کرتے ہو جس طرح سرکار کی ؟ یا خلافت کی طرف سے جو آدمی مقرر ہیں ان کے ایسے ہی احکام مانتے ہو جیسے حکام کے ؟

بیشک اللہ تعالیٰ رحم کرنے والا ہے اور اپنے بندوں پر رحم کرے گا۔ جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے کہ چھوٹے درجہ کے مؤمن کو بھی اوپر لے جائے گا۔ مگر رحم بھی حکمت کے ماتحت ہو گا۔ تم اس حکمت کے ماتحت تو اپنے آپ کو لاؤ۔ تم اپنے اندر کم از کم اتنا مادہ تو پیدا کرو کہ اگر تم سے کوئی غلطی ہو جائے اور اس پر ملامت ہو تو اسے برداشت کر سکو۔ مثلاً جو نماز باجماعت کے لئے نہیں آتا اسے جب آنے

کے لئے کہا جائے تو اس کی آنکھیں جھک جائیں اور شرمندگی کے مارے پسینہ آجائے۔ ایسے شخص کے متعلق کہیں گے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے رحم کا مستحق بنانا چاہتا ہے۔ لیکن اگر کوئی نصیحت کرے اور آگے سے کہا جائے تو کون ہے مجھے نصیحت کرنے والا؟ تو اس کے متعلق یہی کہیں گے کہ وہ اصلاح پانے کا مستحق نہیں ہے۔ تو کم از کم اتنا تو ہو کہ سمجھانے والے سے لڑتے نہ پھرو۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سمجھانے والے لوگوں کو مجلسوں میں شرمندہ کرتے پھریں۔ انہیں خود اس بات کا خیال رکھنا چاہئے۔

پھر بعض لوگ شعائر اللہ کی ہتک کرتے ہیں۔ گناہ اور چیز ہے مگر شعائر اللہ کی ہتک بہت بُری بات ہے۔ ایک شخص گناہ کرتا ہے۔ مگر اس پر شرماتا ہے تو اس کی شرمندگی خدا کے رحم کو کھینچتی ہے۔ مگر ایک اور شخص ہے جو علی الاعلان رشوت لیتا ہے یا سود لیتا ہے یا نماز چھوڑتا ہے یا دو بیویاں کر کے ایک کو معلقہ کرتا ہے۔ تو وہ شعائر اللہ کی ہتک کرنے والا ہے اور ایسا شخص قابل رحم نہیں ہو سکتا۔ ایسے گناہ جو مخفی کئے جائیں اور جن پر شرمندگی لاحق ہو وہ قابل عفو ہوتے ہیں۔ مگر علی الاعلان شعائر اللہ کی ہتک کرنے والے گناہ معاف نہیں کئے جاتے۔

کفار کے متعلق خدا کے وعدے

پھر جہاں آپ لوگوں نے وہ وعدے سنے ہیں جو خدا تعالیٰ نے مؤمنوں سے کئے ہیں۔ وہاں یہ بھی تو دیکھو کہ خدا نے کفار کے متعلق کیا کہا ہے۔ اور کس قدر عذاب کے ان سے وعدے کئے ہیں؟ فرماتا ہے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (السجدة: ۲۱-۲۲)

ان آیات میں خدا نے بتایا ہے کہ یہ لوگ اس دُنیا میں بھی دُکھ پائیں گے اور اگلے جہان میں انہیں بہت زیادہ عذاب دیا جائے گا۔ پھر عذاب کی نوعیت کے متعلق فرمایا۔

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ۝ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ۝ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ۝ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ۝ جَزَآءً وِّفَاقًا (النباء: ۲۲ تا ۲۷)

کہ جہنم ان کافروں کی انتظار میں گھات لگائے ہوئے ہوگا جو خدا کی باتیں نہیں مانتے تھے ان کو آگ میں ڈالا جائے گا۔ اور گرم پانی اور پیپ پینے کے لئے دی جائے گی۔

پھر فرماتا ہے۔ جس طرح مؤمن کے لئے وعدہ تھا کہ جو چیز وہ چاہے گا وہی اسے مل جائے گی۔

اسی طرح کافر کے متعلق کہتا ہے کہ وہ ہر چیز چھوڑنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ چنانچہ فرماتا ہے :۔

يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ۝ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ۝ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنْجِيهِ ۝ كَلَّا إِنَّهَا لَظَىٰ ۝

(المعارج: ۱۲ تا ۱۶)

مجرم چاہے گا کہ بیٹا، بیوی، بھائی، سارا کنبہ اور ساری چیزیں جو کچھ زمین میں ہوں دے کر میں اس عذاب سے مخلصی پاؤں لیکن اسے نہیں چھوڑا جائے گا۔

پھر مؤمن کے لئے یہ تھا کہ فرشتے تکریم کے لئے آئیں گے۔ کافر کے متعلق فرماتا ہے۔

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ۝ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ۝ (القمر: ۴۸-۴۹)

کہ مجرم جب مارا جائے گا تو جان نکلتے ہی اس کو کوڑے پڑنے شروع ہو جائیں گے اور ذلت کی یہی حالت نہ رہے گی بلکہ اور زیادہ ہو گی۔ جس طرح مردہ بھیڑ کی لاش کو پھینک دیا جاتا ہے۔ اسی طرح ان کو لاتوں سے پکڑ کر مونہوں کے بل گھسیٹ کر آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سزا میں آرام کے لئے وقفہ مل جاتا ہے لیکن کافروں کے لئے ایسا نہیں ہوگا ادھر مؤمنوں کے لئے تو یہ فرمایا تھا کہ ان کا انعام بڑھتا ہی جائے گا۔ ادھر کافروں کے متعلق فرماتا ہے کہ جب وہ عذاب سے نکلنا چاہیں گے۔ تو پکڑ کر پھر اس میں ڈال دیا جائے گا۔ چنانچہ فرماتا ہے۔

كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝

(الحج: ۲۳)

جب کبھی کافر ارادہ کریں گے کہ عذاب سے نکلیں ان کو لوٹا کر اسی میں ڈال دیا جائے گا کہ اس جلانے والے عذاب کا مزا چکھو۔

یہاں رُوحانی اور جسمانی دونوں عذابوں کا ذکر ہے کہ ان کے جسم تو آگ میں جلتے ہوں گے مگر ان کے دلوں میں بھی آگ لگی ہو گی۔

پھر جب عادت ہو جائے گی تو سزا کی تکلیف اتنی محسوس نہیں ہوتی جتنی ابتداء میں ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جو جیل میں زیادہ عرصہ رہتے ہیں انہیں جب نکالا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہمارا لوٹا وغیرہ سنبھال رکھنا ہم پھر آ کر لیں گے۔ کافروں کے متعلق فرمایا۔ ان کو عادی نہیں ہونے دیا جائے گا۔ بلکہ

كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ (النساء: ۵۷)

کہ جب انکے چمڑے جل جائیں گے تو ہم انہیں نئے چمڑے پہنا دیں گے تاکہ وہ عذاب کو محسوس کر سکیں۔

پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ مجرم چاہتا ہے سزا دے لو مگر راضی ہو جاؤ۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ (آل عمران: ۷۸)

ان کو عذاب بھی ملے گا دُکھ بھی پہنچے گا اور خدا ان سے بات بھی نہیں کرے گا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ان کی طرف نظر بھی اُٹھا کر نہیں دیکھے گا۔

غرض جس قدر عذاب ہو سکتے ہیں وہ بیان کئے گئے ہیں۔ اب مَیں تم سے پوچھتا ہوں کہ جو چیز تم اپنے نفس میں پاتے ہو اس پر غور کرو اور دیکھو کہ آیا وہ اس قابل ہے کہ اگر نہ ہو تو اتنے عذابوں میں مبتلا کئے جاؤ۔ اگر وہ چیز تمہارے پاس نہیں جس کے نہ ہونے پر اس قدر عذاب دیئے جائیں اور جس کے ہونے پر اس قدر انعام کئے جائیں تو سوچو کہ تم ہرگز ایمان کے اس مقام پر نہیں پہنچے جس کا نام قرآن کریم میں ایمان رکھا گیا ہے۔

بہت بڑی تبدیلی پیدا کرو

ان سب باتوں کو بیان کرنے کے بعد میں تو یہی کہوں گا کہ ایک بہت بڑی تبدیلی کی ضرورت ہے اور اپنے نفس پر موت وارد کرنے کی حاجت ہے۔ تم اپنے نفسوں پر موت وارد کر کے دیکھو تو سہی کہ تمہیں کیا ملتا ہے؟ اور تم سے کہا جاتا ہے کہ تم انعام کے وعدوں اور عذاب کی وعیدوں کو مدّنظر رکھتے ہوئے اپنے اندر تبدیلی کرو اور تھوڑی تھوڑی بات پر ٹھوکر نہ کھایا کرو۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ کئی لوگ معمولی معمولی باتوں پر ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔

تھوڑا ہی عرصہ ہؤا ایک جگہ سے دریافت کیا گیا کہ ہم کس کو ووٹ دیں؟ شہر والوں کو لکھا گیا کہ مشورہ کر کے لکھیں کہ کون آدمی مناسب ہے؟ ان کے جواب کی بناء پر ایک شخص کے متعلق سفارش کر دی گئی۔ مگر گاؤں کے لوگوں نے جن کے ووٹ تھے اس معاملہ کو دوبارہ پیش کیا اور کہا کہ یہ شخص مناسب نہیں اس پر ان کو اجازت دے دی گئی کہ جس کو چاہیں ووٹ دیں۔ اس پر ایک شخص کا خط آیا کہ اس وجہ سے سیکرٹری کو ابتلاء آ گیا کہ کیوں حکم بدلا گیا ہے؟ مَیں نے کہا اس پر ابتلاء کوئی نہیں آیا کیونکہ ابتلاء تو وہ ہوتا ہے کہ جس پر نازل ہو وہ کہے کہ نہیں آیا۔ مثلاً جس کے رشتہ داروں کو خدا نے مار دیا وہ خوش ہو اور کہے کہ خدا کی راہ میں مارے گئے ہیں غم کی کونسی وجہ ہے؟ اس کے متعلق کہیں گے

کہ اسے ابتلاء آیا۔ لیکن جو یہ کہے کہ مجھ پر ابتلاء آگیا ہے کہ میرے رشتہ دار مر گئے ہیں اس کو کہیں گے جھوٹا ہے اسے سمجھنا چاہئے کہ اس پر ابتلاء نہیں بلکہ اس کی کسی غلطی کی وجہ سے عذاب آیا ہے۔

پس اپنے ایمانوں کو مضبوط کرو اور اس نعمت کی قدر کرو جو مسیح موعودؑ کے ذریعہ تمہیں حاصل ہوئی ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ کتنی صدیاں گذر گئیں کہ لوگ مسیح موعودؑ کا انتظار کر رہے تھے۔ بڑے بڑے علماء مسیح موعودؑ کو دیکھنے کی حسرت کو لے کر چلے گئے۔ لیکن تم کو خدا تعالیٰ نے اس کا زمانہ عطا کر دیا ہے۔ تم کو وہ ہادی ملا ہے جس کی تعریف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے اور جس کی تعریف عرش پر بھی کی گئی ہے کہ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ (تذکرہ صفحہ ۶۱۲ ایڈیشن چہارم) اگر تو نہ ہوتا تو میں افلاک کو ہی پیدا نہ کرتا۔

پھر خدا نے اپنے فضل سے تمہارے لئے وہ لوگ مہیا کر دیئے جو خود قرآن سمجھتے اور تمہیں سمجھا سکتے ہیں۔ پھر خدا نے تمہیں ایک ایسا دل دیا ہے جس میں تمہارے لئے تم سے زیادہ درد ہے۔ ایک زبان دی ہے جو تمہارے لئے ناصح ہے۔ ایک ہاتھ دیا ہے جو تمہیں اوپر کو اُٹھاتا ہے پس تم اس دل اور زبان اور ہاتھ کی قدر کرو۔ تمہارے بعد آنے والے آئیں گے اور حسرت کریں گے کہ ان کو یہ نعمت نہ ملی۔ مگر تم کو ملی ہے افسوس ہوگا اگر تم نے اس کی قدر نہ کی۔ تمہارے لئے آج وہ موقع ہے کہ تمہارے لئے خوانوں میں قسم قسم کی نعمتیں لگا کر آقا خود تمہارے پاس لایا ہے اس کی قدر کرو اور اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو۔ تمہارا ایمان پہاڑ کی طرح ہو کہ بڑی سے بڑی چیز جب اس سے ٹکرائے تو پاش پاش ہو جائے نہ کہ تھوڑی تھوڑی بات پر کہو کہ ابتلاء آگیا۔ مؤمن کب کہتا ہے کہ میں ابتلاء میں پڑ گیا؟ ہاں اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ ہم نے مؤمن کو ابتلاء میں ڈالا۔ خدا تعالیٰ انبیاءؑ کے متعلق فرماتا ہے کہ ہم نے ان کو ابتلاء میں ڈالا مگر کوئی نہیں جو یہ ثابت کر سکے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کہا ہو کہ مجھے ابتلاء آیا۔

بہادر بنو

تم مضبوط چٹان کی طرح بن جاؤ اور ایسی مضبوط چٹان کی طرح کہ اگر ساری دُنیا کے ہاتھی مل کر بھی ٹکر ماریں تو وہ پاش پاش ہو جائیں مگر تم ایک ذرہ بھی اپنی جگہ سے نہ ہلو۔ تم بزدل نہ بنو، ڈرپوک نہ بنو، تم گورنمنٹ کی اطاعت کرو مگر اس لئے نہیں کہ تم اس سے ڈرتے ہو بلکہ اس لئے کہ اس کی اطاعت کرنے کا حکم خدا نے دیا ہے۔ گورنمنٹ خواہ تمہاری گردنوں پر تلوار بھی رکھ دے تو بھی اس کے ڈر کی وجہ سے اس کے آگے ذرا نہ جھکو کہ تمہارا جھکنا صرف خدا ہی کے حکم کے لئے ہے اور اس نعمت کی قدر کرو جو خدا نے تمہیں دی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے اس نعمت کو سمجھا اور تم جانتے ہو کہ وہ کیا سے کیا بن گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت میں کہا کہ اگر کسی کو مجھ سے کوئی دُکھ پہنچا ہو تو وہ مجھ سے بدلا لے لے۔ ایک صحابیؓ نے کہا مجھے پہنچا ہے

اور وہ یہ کہ ایک دفعہ آپؐ صفیں سیدھی کر رہے تھے تو مجھے آپؐ کی کُہنی لگی تھی مَیں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا لے لو صحابیؓ نے کہا اس وقت میرا جسم ننگا تھا آپؐ بھی جسم ننگا کریں۔ یہ باتیں سُن کر صحابہؓ پر کیسے اثرات ہوئے ہوں گے؟ وہ چاہتے ہوں گے کہ اس شخص کا سر اُڑا دیں۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑا اُٹھا دیا۔ یہ دیکھ کر اس صحابیؓ نے آپؐ کے جسم مبارک کو بوسہ دیا اور کہا یہی بدلا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ اب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم آنکھوں سے اوجھل ہونے والا ہے اور پھر کہاں مل سکے گا؟ اس موقع سے فائدہ اُٹھا لوں۔ (سیرت ابن ہشام (عربی) جلد ۲ صفحہ ۱۷)

یہ وہ محبت کا جذبہ تھا جو صحابہؓ میں پیدا ہو گیا تھا۔ تم بھی محبت کا ایسا ہی جذبہ پیدا کرو اور اب جس وقت یہاں سے جاؤ تو بدلے ہوئے جاؤ۔ وہ کون سا وقت آئے گا جب ہماری جماعت کے لوگ خدا کی راہ میں ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی پرواہ نہ کریں گے۔ تمہارے دل میں کسی دنیاوی طاقت کا خوف اور ڈر قطعاً نہیں ہونا چاہئے تم حکام کی اطاعت کرو مگر ان کے آگے تمہاری گردنیں نہ جُھکیں۔ ان کا ادب اور احترام ہو مگر اس لئے کہ خدا کا حکم ہے نہ کہ ڈر کی وجہ سے۔ ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو مگر کسی لالچ اور طمع کی وجہ سے نہیں۔ تمہیں جو کچھ مانگنا ہے خدا سے مانگو اور کسی سے تمہیں کچھ نہیں مانگنا چاہئے اور نہ خدا کے سوا کسی اور کا دیا ہُوا تمہارے کسی کام آسکتا ہے۔

مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ چیز جو تمہیں مل سکتی ہے اور جو میرے ذہن میں ہے میری طاقتِ بیان سے باہر ہے۔ اگر تم بزدلیوں، کاہلیوں اور غفلتوں کو چھوڑ دو تو تمہیں وہ نعمتیں مل سکتی ہیں جو تمہارے خیال میں بھی نہیں آسکتیں اور تم اُن کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے اور تم تو اس کا بھی اندازہ نہیں کر سکتے جو میرے ذہن میں ہے کیونکہ تمہارا دل اتنا وسیع نہیں۔ چونکہ خدا نے مجھ سے کام لینا ہے اس لئے اس نے میرا دل بہت وسیع بنایا ہے اور مَیں جانتا ہوں کہ وہ کیا نعمتیں ہیں جو تمہیں مل سکتی ہیں۔

پس تم اس وقت کی جو تمہیں ملا ہُوا ہے قدر کرو۔ کبھی بڑے کے بعد چھوٹے لوگ میسر ہوتے ہیں۔ اگر ان کی بھی قدر نہ کی جائے تو پھر ایک وقت آتا ہے جب کہ چھوٹے بھی نہیں رہتے۔ اب ایسے لوگ ہیں جو تمہیں دین سکھا سکتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی قدر نہ کرو اور وہ بھی نہ رہیں تو تمہیں حسرت اور افسوس سے ہاتھ ملنے پڑیں۔

کوئی احمدی اکیلا نہیں

پس اپنے اندر تغیر پیدا کرو اور کبھی کوئی اس بات سے نہ ڈرے کہ کسی جگہ وہ اکیلا احمدی ہے۔ کوئی احمدی اکیلا نہیں۔ ایک وہ ہے اور ایک اسکے ساتھ اور ہے جو خدا ہے اور جسکے ساتھ خدا ہو وہ ساری دُنیا کی پرلیشہ جتنی بھی پرواہ نہیں کرتا

پس اپنے دلوں سے ہر قسم کا خوف نکال دو اور کمریں کس لو اور نیتیں کر لو کہ ساری دُنیا میں اسلام کو پھیلا کے چھوڑیں گے۔ تم اس ارادہ اور نیت کو لے کر یہاں سے چلو تاکہ وہ آرزوئیں جو تمہارے متعلق میرے دل میں ہیں وہ پوری ہوں۔ اور ان کو پورا ہوتا ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

خدا تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو۔ آمین

---

۱ شکر اس پر نہیں کہ ہمیں روشنی پہنچتی ہے اور دوسروں کو نہیں۔ بلکہ اس بات پر کہ جبکہ ہر قسم کے سامان مفقود تھے۔ اس نے فوق العادت طور پر ہمارے لئے روشنی کا سامان مہیا کیا۔ ورنہ مومن کی سچی خوشی اسی میں ہے کہ وہ نور جو اسے پہنچے دوسروں تک بھی پہنچ جائے۔ اور وہ کبھی آرام نہیں کرتا جب تک تمام بنی نوع انسان خدا تعالیٰ کی ہدایت کے سورج کے نیچے نہ آجائیں۔

۲ علی بن مامون خوارزم بادشاہ۔ جس کے دور حکومت میں بوعلی سینا (۹۸۰-۱۰۳۷) ۱۰۰۱ء میں خوارزم گئے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱ صفحہ ۵۶۱ مطبوعہ لاہور ۱۹۶۳ء)

۳ اس جگہ کسی کو یہ وہم نہ گزرے کہ زار روس (اومانوف نکولس ثانی (۱۸۶۸ء-۱۹۱۸ء) اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ۲ صفحہ ۷۴۱ از ریلفظ "نکولس" مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء) تو ایک ظالم بادشاہ تھا اس کا سوتا حضرت مسیح موعود کو جو خدا تعالیٰ کے فرستادہ تھے کیونکر مل سکتا ہے؟ کیونکہ اس کی حکومت کسی کو ملنے کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ اس کی حکومت بھی اسی قسم کی ہوگی بلکہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی قدیم سے سنت ہے اور جیسا کہ وہ صاف طور پر قرآن کریم میں فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الرعد : ۱۲) وہ اس وقت کسی انعام کو واپس لیتا ہے جبکہ وہ حق کو چھوڑ بیٹھتے ہیں اور خراب ہو جاتے ہیں۔ پس زار روس سے حکومت لینے کی وجہ بھی یہ ہے کہ وہ اس ذمہ داری کے ادا کرنے سے قاصر رہا۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر عائد تھی اور حضرت مسیح موعود کو اس عصا کے دینے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اب اس ذمہ داری کے اٹھانے کی اہل صرف آپ کی جماعت ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ روس کے باشندوں کے احمدی مسلمان ہونے کے بعد وہاں ایک ایسا امن کا دور چلے گا کہ باقی دنیا اس کو دیکھ کر رشک کرے گی اور وہ حکومت امن و انصاف کی مدد اور محافظ ہوگی۔ انشاء اللہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔